ایوانِ وہابیت کو متزلزل کرنے والی دلائل و براہین سے
آراستہ ایک معرکۃ الآراء کتاب

فتحِ ہدایت

بر

سرچشمۂ ہدایت



تصنیف

مفتی محمد صلاح الدین رضوی

حسبِ فرمائش

جناب پرویز احمد (عالم گنج پٹنہ)

باہتمام

ادارۂ رشیدیہ خانقاہِ عمادیہ، منگل تالاب
و تاج الشریعہ فاؤنڈیشن، باغ کالو خاں پٹنہ سیٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایوانِ وہابیت کو متزلزل کرنے والی دلائل وبراہین سے
آراستہ ایک معرکۃ الآراء کتاب

فتح ہدایت
بر
سرچشمہ ہدایت

تصنیف
مفتی محمد صلاح الدین رضوی

حسبِ فرمائش
جناب پرویز احمد (عالم گنج پٹنہ)

باہتمام
ادارہ رشیدیہ خانقاہِ عمادیہ منگل تالاب
وتاج الشریعہ فاؤنڈیشن، باغ کالو خاں پٹنہ سیٹی

نام کتاب : فتح ہدایت برسر چشمۂ ہدایت
مصنف : محمد صلاح الدین رضوی
کمپوزنگ : عبدالرشید قادری دیناجپوری خطیب وامام بہار شریف
بارِاول : ۱۹-۲۰۱۸ء
تعداد : ۱۱۰۰
حسب فرمائش: جناب پرویز احمد (عالم گنج پٹنہ)
باہتمام : ادارۂ رشیدیہ خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب
وتاج الشریعہ فاؤنڈیشن باغ کالوخاں، پٹنہ سیٹی
قیمت :

ملنے کے پتے:

مولانا مصطفےٰ رضا غوثی رضوی منزل مدرسہ محلہ پوکھریرا، وایارائے پور ضلع سیتامڑھی بہار

احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹیڈ)، سبزی باغ، پٹنہ ۴

فیضی کتاب گھر مہسول چوک سیتامڑھی بہار

رضوی کتاب گھر مٹیا محل دہلی

رضوی کتب خانہ مدرسہ محلہ پوکھریرا، وایارائے پور ضلع سیتامڑھی بہار

ایصال ثواب

سیکٹر ۳ گاندھی نگر گجرات کے رہنے والے جناب یٰسین بھائی بلوچ، نہایت منکسر المزاج خوش اخلاق اور دین وسنیت کے بہت ہمدردواقع ہوئے ہیں۔

دینی اور اسلامی خدمات کے لیے ہر لحاظ سے تیار نظر آتے ہیں۔ راہ خدا میں مال خرچ کرنے کو اپنی سعادت مندی وخوش نصیبی تصور کرتے ہیں ہمیشہ اس کام کے لیے تیار ومستعد اور پیش پیش رہا کرتے ہیں۔

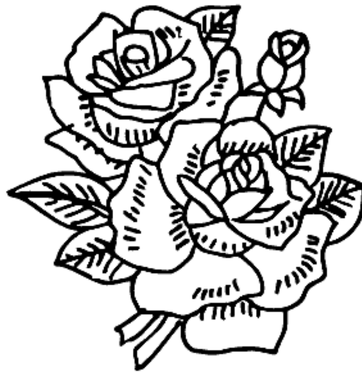
میں نے جب ان کے پاس اپنی اس کتاب کی اشاعت کا مسئلہ اُٹھایا تو انہوں نے فوراً اس عظیم خدمات کو اپنی والدہ ماجدہ کے ایصال ثواب کے لیے قبول فرما کر میری مشکل کو بہت آسان کردیا۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس اشاعتی کارنامے کے توسل سے ان کی والدہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اوراخروی خوشحالیوں سے سرفرازی بخشے۔

العارض:

محمد صلاح الدین رضوی

فہرست مضامین



تہدیہ

مجدد اعظم امام احمد رضا خاں محدث بریلوی
تاجدار ترہت شیخ عبدالرحمان محبیؔ پوکھریروی

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد مصطفےٰ رضا خاں بریلوی، حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی، فرید ملت شیخ المشائخ حضرت سید شاہ فرید الحق عمادی، تاج الشریعہ فخر ازہر مفتی اختر رضا خاں ازہری بریلوی علیہم الرحمۃ والرضوان

و

والدۂ محترمہ بی بی نجم النساء مرحومہ ووالد گرامی جناب سہراب عالم قادری مرحوم اور برادر مشفق حضرت مولانا ماہر القادری دام ظلہ العالی جن کے فیوض وبرکات سے ہمیشہ شادکام رہا۔

نیازمند:
محمد صلاح الدین رضوی
مقام وپوسٹ۔ پوکھریرا
وایا رائے پور ضلع سیتامڑھی بہار
8051565474

تقریظ رفیع

رئیس المشائخ، قائد اہل سنت پیر طریقت حضرت علامہ
سید شاہ مصباح الحق عمادی دامت برکاتہم القدسیہ
سجادہ نشیں خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی

زیر نظر کتاب ''فتح ہدایت'' عقائد اہل سنت پر کئے گئے وہابیوں کے بعض اعتراضات کے جوابات میں جناب مولانا مفتی صلاح الدین صاحب رضوی نے لکھی ہے۔ اور اہل سنت کے عقائد ونظریات پر کئے جانے والے اعتراضات وتنقیدات یہ کوئی نئی بات نہیں ہیں، بلکہ ہر دور کے جدید فرقوں نے اپنے عقائد واعمال کو حق ثابت کرنے کے لیے اہل سنت اور ان کے عقائد کو نشانہ بنایا ہے اور یہ باطل فرقے مذہب حق اہل سنت و جماعت کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

یہ سلسلہ صحابۂ کرام کے دور مسعود سے اب تک جاری ہے کہ خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک سے یہ سلسلہ منکرین زکوۃ کی شکل میں شروع ہوا جو مختلف صورتوں میں نمودار ہوکر تاہنوز پاکیزہ فضاؤں کو بگاڑنے کی کوششوں میں مصروف ہیں، لیکن ہر دور میں علمائے حق نے ان کا مسکت اور دندان شکن جواب عنایت فرما کر ان کے باطل منصوبے کو ناکام بنایا ہے۔

کہ ارشاد نبوی ہے:

مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ

فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ

(مسلم شریف ج۱،ص۵۱)

تم میں سے جو شخص کوئی بُری چیز دیکھے تو چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے بدل دے اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اسے اپنے دل میں برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

حسب ماضی آج بھی جب کوئی دشمن دین خیالات فاسدہ یا اعمال قبیحہ کی تائید میں کوئی کتاب لکھتا ہے تو اس کے جواب سے علمائے حق ہر گز نہیں کتراتے۔

یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے دلائل قاطعہ اور براہین واضحہ سے آراستہ کیا گیا ہے اور بڑے دل نشیں انداز میں وہابیوں کے باطل اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

اللہ پاک مصنف کے قلم میں مزید قوت عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم



شرف انتساب

پاسبانِ ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ
اورآپ کی دینی وعلمی عظیم یادگار دارالعلوم
غریب نواز الہٰ آباد کے نام جن کے دینی وعلمی
فیضان سے ایک جہان شاداب ہے۔



حرف آغاز

اگر غور کیا جائے تو اس حقیقت کے اعتراف میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ دنیا میں آج تک وہابی فتنہ سے بڑھ کر کوئی بھی فتنہ ظہور پذیر نہ ہوا کیونکہ اسلامی لباس، کلمہ اور قرآن وحدیث کی آڑ میں جتنا اس نے اسلام کو نقصان پہنچایا ہے کسی اور سے سننے میں نہیں آیا۔
اور اس فتنے کی زد میں وہی انسان آسکتا ہے جو انتہائی غافل ولا پرواہ فکر وشعور کے جذبات سے خالی اور اندھی تقلید کا حامل ہو ورنہ آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اتنی واضح نشانیاں بیان فرمادی ہیں کہ جن کو جان لینے کے بعد اس سے کمال نفرت کا پیدا ہوجانا یقینی ہوجاتا ہے۔
حدیث شریف میں ہے: ایک دن آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شام ویمن کیلئے دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے لئے شام ویمن میں برکت نازل فرما وہاں نجد کے بھی کچھ لوگ موجود تھے انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے نجد میں بھی برکت کیلئے دعا فرمادیں پھر بھی حضور نے شام ویمن ہی کیلئے دعا فرمائی نجد کے لوگوں نے دوبارہ درخواست کی یارسول اللہ ہمارے نجد میں بھی برکت کی دعا فرمادیں پھر بھی سرکار نے وہی دعا فرمائی یہاں تک کہ تیسری بار نجد والوں کی اس درخواست پر سرکار نے فرمایا میں نجد کیلئے دعا کیسے کروں وہ تو زلزلوں اور فتنوں کی جگہ ہے اور وہاں سے شیطانی گروہ نکلے گا۔ (مشکوٰۃ باب ذکر الیمن والشام)
معلوم ہوا کہ نجد پر ہمیشہ کیلئے بدبختی کی مُہر لگ چکی تھی اسی لئے سرکار نے اسے دعائے خیر سے محروم رکھا اور اس حدیث پاک میں جس فتنے سے لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے یقیناً وہ محمد بن عبدالوہاب نجدی ہی کی شکل میں ۱۱۱۵ھ میں پیدا ہوا کہ اس کا تعلق نجد میں واقع قبیلہ بنوحنیفہ ہی سے تھا۔

مولوی مسعود عالم ندوی رقمطراز ہے: شیخ الاسلام (محمد بن عبدالوہاب) کی جائے پیدائش عیینہ اور دعوت کا مرکز دونوں اسی وادی بنوحنیفہ میں واقع ہے۔ (حاشیۂ کتاب محمد بن عبدالوہاب ص١٦)

اور یہ وہی قبیلہ ہے جس کو سرکار دو جہاں ﷺ ہمیشہ ناپسند فرماتے رہے۔ ترمذی شریف میں ہے:

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلین ﷺ تین قبیلوں کو تاحیات ناپسند فرماتے رہے ایک ثقیف، دوسرا بنوحنیفہ تیسرا بنوامیّہ۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا پورب کی جانب سے کچھ ایسے لوگ ظاہر ہونگے جو قرآن پڑھینگے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر وہ کبھی دین میں داخل نہ ہونگے یہاں تک کہ تیر اپنی جگہ واپس آجائے صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ان کی پہچان کیا ہوگی؟ تو فرمایا سر منڈانا (بخاری شریف جلد ٢ باب قراۃ الفاجر والمنافق)

تو اس حدیث پاک میں باطل فرقے کی بتائی ہوئی نشانیاں پورے طور سے وہابیوں پر صادق آتی ہیں کہ ان کے سب سے بڑے پیشوا محمد بن عبدالوہاب کا وطن نجد مدینہ شریف سے بالکل مشرق کی سمت پر واقع ہے اور اس کے ماننے والوں میں ہی سر منڈانے کا رواج بھی بہت عام ہے جیسا کہ فتوحات اسلامیہ جلد ٢ ص ٢٢٨ پر ہے۔

حضور سید المرسلین ﷺ نے جو سر منڈانے کو باطل گروہ کی نشانی بتائی ہے تو یہ نجدی گروہ کے حق میں بالکل صراحت ہے کیونکہ یہی لوگ اپنے پیروکار کو سر منڈانے کی تلقین کرتے ہیں اور یہ نشانی خوارج وگزشتہ بددین فرقوں میں سے کسی میں بھی موجود نہ تھی یہ شعار صرف اسی فرقہ کا ہے۔

حضرت سید المرسلین ﷺ نے (باطل فرقے کی شناخت کراتے ہوئے) یہ بھی فرمایا: وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے وہ مسلمانوں کو قتل

کریں گے اور کافروں کو چھوڑ دیں گے اگر میں ان کا زمانہ پاؤں تو انہیں ایسے ہلاک کروں۔ جیسے قوم عاد ہلاک ہوئی۔ (بخاری جلد ا کتاب الانبیاء ص ۴۷۲)۔

مسلمانوں کو قتل کرانے اور کافروں کو چھوڑ دینے والی نشانی بھی اسی گروہ میں پائی جاتی ہے۔

علامہ شامی رقمطراز ہیں:

جیسے کہ ہمارے زمانے میں محمد بن عبدالوہاب کے ماننے والوں کا حال ہوا کہ یہ لوگ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر غلبہ حاصل کرلیا وہ اپنے کو حنبلی کہتے تھے لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں جو لوگ ہمارے عقائد کے خلاف ہیں وہ مشرک ہیں اسی لئے انہوں نے اہل سنت وجماعت کے قتل کو جائز سمجھا یہاں تک کہ ان کے علماء کو بھی قتل کیا (ردالمحتار ج ۳ باب البغاۃ)۔

مسٹر محمد علی جوہر نے حجاز مقدس سے واپس ہوکر اپنا چشم دید واقعہ اس طرح بیان کیا:

میں خدا کے گھر میں بیٹھا ہوں اور اس کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں نہ مجھے ابن سعود سے ذاتی عداوت ہے نہ میری مخالفت ذاتی غرض پر ہے جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہی کہوں گا اور صاف صاف کہوں گا خواہ اس سے کوئی جماعت خوش ہو یا ناخوش (مقالات محمد جوہر علی ج ا ص ۷ ۳)

جب ہندوستان میں یہ خبر پھیلی کہ وہابیوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا ہے جس سے وہاں کے متبرک مقامات کو سخت نقصانات پہنچے ہیں تو ہندوستان کی خلافت کمیٹی نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے چند افراد پر مشتمل اپنا ایک وفد وہاں بھیجا جنہوں نے واپسی پر خلافت کمیٹی کو یہ رپورٹ پیش کی۔

مدینہ منورہ کے ایک اجتماع میں نجد کے قاضی نے علمائے مدینہ کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ:

اے حجازیو تم ہامان وفرعون سے بھی بڑھکر کافر ہو ہم تمہارے ساتھ اسی طرح قتال کریں گے جس طرح کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے تم امیر حمزہ

اور عبد القادر کے پجاری ہو (رپورٹ خلافت کمیٹی ص ۸۵)۔
اس میں یہ بھی ہے ملک گیری کیلئے جو حربہ قوم نجد کے پاس ہے وہ یہی ہے کہ انہیں ایک صدی سے بھی زیادہ سے یہی سکھایا گیا ہے کہ ان کے علاوہ سب مشرک ہیں۔
اور نجدیوں کی گزشتہ صدی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان کے ہاتھ کفار کے خون سے کبھی نہیں رنگے جس قدر بھی خونریزی انہوں نے کی ہے وہ صرف مسلمانوں کے ساتھ کی ہے (ایضاً ص ۱۰۵)
اور آج بھی ان کا یہی حال کہ اسلام وکفر کی جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کی بجائے ہمیشہ امریکہ وبرطانیہ ہی کا ساتھ دیکر اپنی غلامی کا حق خوب ادا کرتے ہیں۔
حضرت ابوسعید خدری اور حضرت انس بن مالک سے روایت ہے:
حضور سید المرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں اختلاف وتفریق کا واقع ہونا مقدر ہو چکا ہے:۔بس میری امت میں ایک ایسا گروہ بھی نکلے گا جس کی باتیں بظاہر بڑی دلفریب ہوں گی لیکن اس کا کردار وعمل بہت بُرا ہوگا وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر دین کی طرف وہ نہیں لوٹ پائیں گے یہاں تک کہ تیر اپنے کمان کی طرف لوٹ آئے وہ اپنی طبیعت کے لحاظ سے بدترین مخلوق ہوں گے وہ لوگوں کو قرآن اور دین کی طرف بُلائیں گے حالانکہ دین سے ان کا کچھ تعلق نہ ہوگا جو ان سے جنگ کرے گا وہ خدا کا مقرب ترین بندہ ہوگا صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ان کی خاص پہچان کیا ہوگی فرمایا سر منڈانا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۰۸)
حضرت علی المرتضیٰ سے روایت ہے:
میں نے حضور سید المرسلین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اخیر زمانے میں نوعمر اور کم سمجھ لوگوں کی ایک جماعت نکلے گی جو باتیں بظاہر اچھی کریں گے

لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پس تم انہیں جہاں پانا قتل کر دینا کہ قیامت کے دن ان کے قاتل کیلئے بڑا اجر وثواب ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۲۲۴)

ان دونوں احادیث کریمہ میں غور کیجئے کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے باطل فرقے کی جو پہچان بتائی ہے کہ وہ باتیں بڑی اچھی کریں گے لیکن کردار وعمل کے لحاظ سے اتنے بُرے نظر آئیں گے کہ حیرت سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔

اور پہلی روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن ودین کی طرف بُلائیں گے حالانکہ دین سے ان کا کچھ بھی تعلق نہ ہوگا تو یہ نشانیاں بھی وہابیوں میں صاف نظر آ رہی ہیں:۔

مسٹر محمد علی جوہر بیان کرتے ہیں: سلطان ابن سعود اور ارکان حکومت بار بار کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی رٹ لگاتے ہیں لیکن میں نے تو یہ پایا کہ انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو دنیا کمانے کیلئے آلہ بنا رکھا ہے جو لوگ چوری کرتے ہیں بُرا کرتے ہیں لیکن جو لوگ قرآن وحدیث کو آڑ بنا کر دنیاوی حکومت حاصل کرتے ہیں وہ چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بُرا کرتے ہیں (مقالات محمد علی ج ا ص ۹۵،۹۶)

اور خود مولانا الیاس نے اپنی جماعت کا تعلق دین سے نہ ہونے کا اقرار بھی کیا ہے وہ کہتے ہیں:

ظہیر الحسن میرا مدعا کوئی پاتا نہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ (تبلیغی جماعت) تحریک صلوٰۃ ہے میں قسم سے کہتا ہوں کہ یہ ہرگز تحریک صلوٰۃ نہیں ہے پھر بڑی حسرت سے فرمایا میاں ظہیر الحسن مجھے ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے۔ (مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۲۳۴)

گزشتہ دوسری روایت میں اس گروہ کی ایک پہچان یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ نوعمر اور کم

سمجھ لوگوں پر مشتمل ہوگا اگر تبلیغی جماعت کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت خوب آشکارا ہوجائیگی کہ یہ علامت بھی اسی جماعت میں پائی جارہی ہے کہ اس میں بڑی تعداد یا توان کم پڑھے لکھے عوام کی ہوتی ہے جو اپنی سادہ لوحی کی بنیاد پر اس کے کارنامے کو دینی کام سمجھ کر اس کے ساتھ ہوجاتے ہیں یا مدرسوں اسکولوں، کالجوں اور مسلم گھرانوں کے ان نوعمر افراد کی ہوتی ہے جو اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس کے کردار و عمل کو دینی کام سمجھ لیتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے: آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے کہ اچانک ایک ایسا شخص کھڑا ہوا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں اور گالوں کی ہڈیاں اٹھی ہوئیں پیشانی ابھری ہوئی تھی اور داڑھی گھنی تھی اس کا سر منڈایا ہوا تھا اور ازار اوپر کو چڑھا ہوا تھا۔ وہ کھڑا ہوتے ہی کہنے لگا یارسول اللہ، اللہ تعالی سے ڈریئے تو سرکار دوجہاں علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تیرے لئے خرابی ہو زمین والوں میں مجھ سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا کون ہوگا۔

اس حدیث پاک کے اخیر میں یہ بھی ہے کہ اس کی نسل کے لوگ قرآن حکیم کی تلاوت تو خوب رو رو کر کریں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے اگر میں ان کا زمانہ پاؤں تو انہیں قوم ثمود کی طرح قتل کروں (بخاری ج ۲ کتاب المغازی بعث علی بن ابی طالب وخالد بن ولید الی الیمن)

غور فرمائیے کہ اس حدیث پاک میں باطل فرقے کی ایک پہچان، ان کے ازار کا اٹھا ہوا ہونا بتایا گیا ہے تو یہ علامت بھی وہابیوں کے اندر اس قدر واضح ہے کہ اس کا انکار حقیقت سے انحراف ہے۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باطل فرقے کی ایک پہچان یہ بھی بتائی ہے تم اپنی نمازوں اور روزوں کو ان کی نمازوں اور روزوں کے مقابلے میں نہایت کمتر خیال کروگے۔ (بخاری ج ۲ باب قتال الخوارج)

تو یہ وصف بھی وہابیوں کے اندر بالکل ظاہر ہے کہ اہل اسلام ان کی نماز و روزہ

کے مقابلے میں اپنی نماز وروزہ کو بظاہر کمتر خیال کرنے لگے ہیں۔

اور دیو بندیت اسی وہابیت کی ایک شاخ ہے جس کا ثبوت اس بیان سے بخوبی ہو جاتا ہے: جن دنوں تھانوی صاحب کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں پڑھایا کرتے تھے انہیں دنوں محلہ کی کچھ عورتیں فاتحہ کرانے کے لئے مٹھائی لیکر آئیں تو تھانوی صاحب کے شاگردوں نے فاتحہ کرنے کی بجائے ساری مٹھائیاں کھالیں جس پر بڑا ہنگامہ ہوا، تھانوی صاحب اس وقت موجود نہ تھے جب انہیں معلوم ہوا تو فوراً پہنچے اور لوگوں کو مخاطب کرکے بول پڑے بھائی یہاں وہابی رہتے ہیں یہاں فاتحہ نیاز کیلئے کچھ مت لایا کرو۔ (اشرف السوانح ج ۱ ص ۴۵)

اور مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱)

تو یہ وہ فرقۂ باطلہ ہے جس کی نشانیاں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی بیان فرمادی تھیں اور جس فتنے سے بچنے کی سرکار نے پہلے ہی تاکید فرمادی تھی اگر کوئی محض اندھی تقلید کے طور پر یا ظاہری نمائش اور دنیاوی عیش وعشرت سے متأثر ہوکر اس میں شامل ہو جائے تو اسے نادان و بے وقوف اور عقل کا اندھا ہی کہا جا سکتا ہے۔

آج وہابیوں کے یہاں شادی کرنے اور ان کے مدارس میں اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے سے دین وسنیت کو بہت زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے کہ جہاں لڑکی کو اپنے شوہر کی محبت میں وہابی بننے کا امکان بہت زیادہ رہتا ہے اور اس منحوس رشتے کے اثر سے لڑکی کے والدین اور بھائی وغیرہ کو بھی متاثر ہونے کا احتمال رہتا ہے وہیں وہابیہ سے شادی کرنے کی صورت میں بیوی سالہ اور سسر کی نحوست سے لڑکے کو بھی بدمذہب ہونے کے امکان سے انکار نہیں ہوسکتا بلکہ اسے بدمذہب ہوتے ہوئے دیکھا بھی گیا ہے پھر لڑکے

کی محبت میں اس نحوست کا اثر اس کے گھر والوں پر بھی پڑنے کا امکان بحال رہتا ہے۔

پھر بھی کچھ لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ اگر انہیں وہابیوں کے یہاں شادی بیاہ سے روکا جائے تو فوراً بول پڑتے ہیں کہ ان کو بیٹیاں دینے میں نقصان ہے بیٹیاں لانے میں کوئی حرج نہیں کہ ہم انہیں سنیہ بنالیں گے۔

اسی طرح استاذ وشاگرد کے درمیان تعظیم وتوقیر اور محبت کا رشتہ ہوتا ہے جس سے شاگردوں کے بہکنے کا امکان بھی بہت زیادہ رہتا ہے کہ اس کی تعظیم وتوقیر اور محبت میں وہ اس کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور اس کی غلط اور باطل باتوں کو بھی صحیح سمجھنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس گندے ماحول کا اثر شعبۂ حفظ کے طلبہ پر بھی پڑ جاتا ہے جو عقلمندوں سے پوشیدہ نہیں پھر ان بچوں کی محبت میں ان کے باپ بھائی کے بہکنے کا بھی بہت امکان رہتا ہے۔

پھر بھی اگر ان کے مدارس میں بچوں کو تعلیم دلوانے سے انہیں روکا جائے تو کہنے لگتے ہیں کہ ان کے یہاں بچوں کو عالم بنانے میں حرج ہے حافظ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

جس کو دین وسنیت کی فکر ہوگی اللہ رب العزت کا خوف اور سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہوگی وہ بد مذہبوں سے بہت دور بھاگے گا کہ شیطان کو بہکاتے دیر نہیں لگتی ہوسکتا ہے کہ ان کے مکروفریب کے جال میں پھنس کر وہ بھی برباد ہوجائیں۔

کچھ سال پہلے پٹنہ کے ایک وہابی ارشد کی کتاب سرچشمۂ ہدایت منظر عام پر آئی جس میں اس نے قرآن وحدیث کی غلط توضیحات وتشریحات کے ذریعے اور بتوں کی مذمت میں نازل ہونے والی آیات قرآنی کو انبیائے کرام واولیائے عظام کی ذوات قدسیہ پر چسپاں کر کے اسلامی عقائد ونظریات کو بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے معمولات اہل سنت پر شدید نکتہ چینی کی ہے۔

یوں تو معمولات اہل سنت پر اس کے بے تکے اعتراضات ہی سے اس کی جہالت ونادانی اور اس کے مذہب کا بطلان اچھی طرح منکشف ہوجاتا ہے پھر بھی اس کے دجل

وفریب سے کم پڑھے لکھے اور سادہ لوح مسلمانوں کے بہکنے کا امکان بہت تھا۔

اللہ رب العزت رحم فرمائے عالم گنج پٹنہ کے رہنے والے ہمدرد قوم وملت جناب پرویز احمد پر کہ جنہوں نے ان خدشات کو پہلے ہی محسوس کر لیا اور اس فتنہ سے عوام اہل سنت کو بچانے کے لئے اس طرف میری توجہ فوراً مبذول کرائی کہ جیسے بھی ہو اس کے جواب میں کوئی مدلل کتاب آنی چاہیئے کہ اس سے عوام اہل سنت کو بہکنے کا امکان بہت ہے۔

کثرت مصروفیات اور تنگی وقت اس اہم ذمہ داری کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھی لیکن آخر کار حالات کی نزاکت کے پیش نظر اللہ رب العزت کے فضل وکرم پر توکل رکھتے ہوئے اس اہم کام کو تکمیل تک پہچانے کا عزم کر ہی لیا اور اپنے قیمتی اوقات میں سے تھوڑا تھوڑا وقت اس کیلیئے بھی نکالنا شروع کر دیا۔

مجھے اعتراف ہے کہ اس کی اشاعت میں کافی تاخیر ہو چکی ہے ایک تو کثرت مصروفیات کی وجہ سے یہ کام بڑا سست رہا پھر اسباب کی عدم فراہمی بھی اس کی اشاعت میں رکاوٹ بنی رہی۔

لیکن تاخیر خواہ جتنی بھی ہوئی ہو بفضلہ تعالی اس میں ہر پہلو پر میں نے تحقیقی روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے جو انشاء اللہ بہت ہی مفید اور کار آمد ثابت ہوگی۔

اس کتاب کو حتی الامکان غلطیوں سے محفوظ رکھنے کی میں نے کوشش کی ہے پھر بھی غلطیوں کا امکان باقی ہے لہذا اگر کوئی بات خلاف شرع نظر آجائے تو ضروع اطلاع کر دیں ان شاء اللہ آئندہ اس کی اصلاح کر لی جائیگی۔

طالب دعا

محمد صلاح الدین رضوی پوکھریروی

استاذ مرکزی دار العلوم عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سیٹی

فون نمبر 8051565474

☆☆☆

بدعت کی حقیقت

بدعت کا لغوی معنی ہے نئی چیز یعنی وہ کام جو بغیر سابق مثال کے کیا جائے۔

اصطلاح شریعت میں بدعت کہتے ہیں کسی ایسی چیز کے ایجاد کو جو حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں نہ تھی۔ (مرقات باب الاعتصام والسنۃ)

سارے علماء ومحدثین عظام نے بدعت کی یہی تعریف بیان فرمائی ہے بدعت شرعی کی دو قسمیں ہیں بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان بُرے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے۔ مثلاً دیوبندی وہابی کے عقائد باطلہ کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (رسالۂ یکروزی) ۔اور شیطان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا عالم ہے (براہین قاطعہ) بدعت اعتقادی ہے۔

حضرت نافع سے روایت ہے ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کیا فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے اس پر آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ وہ بدعتی ہوگیا ہے اگر واقعی بدعتی ہوگیا ہے تو اسے میرا اسلام نہ کہنا (یعنی میری طرف سے جواب سلام نہ پہنچانا) کیوں کہ میں نے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں دھنسنا، صورت بدلنا، پتھر برسنا ہوگا قدریوں میں اور قدریہ منکرین تقدیر کو کہا جاتا ہے جس کی تائید حدیث پاک سے ہوجاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنما سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت میں دھنسنا اور صورت بگڑنا ہوگا اور یہ منکرین تقدیر پر ہوگا۔ (مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر)

تو اس حدیث پاک میں حضرت عبداللہ بن عمر نے منکرین تقدیر کو بدعتی کہا ہے

جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بُرے عقیدے والے کو بھی بدعتی کہا جاتا ہے۔

بدعت عملی ان دینی یا دنیوی کاموں کو کہتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات ظاہری کے بعد ایجاد ہوئے۔

بدعت عملی کی تین قسمیں ہیں:

بدعت حسنہ، بدعت سیئہ، بدعت مباحہ

بدعت حسنہ:

وہ نیا کام جو قرآن وحدیث کے اصول وضوابط کے مطابق ہو انھیں پر قیاس کیا گیا ہو اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کسی حدیث کے خلاف نہ ہو۔

بدعت حسنہ کی دو قسمیں ہیں: بدعت واجبہ، بدعت مستحبہ

بدعت واجبہ: وہ نیا کام جو دین کی ضرورت بن جائے اور اس کو چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو جیسے قرآنی آیات پر اعراب لگانا اور دینی علوم سمجھنے کیلئے علم صرف ونحو کو پڑھنا پڑھانا۔

بدعت مستحبہ: وہ نیا کام جو نہ واجب ہو اور نہ ممنوع بلکہ عام مسلمان اسے کار ثواب جان کر یا کوئی شخص اسے نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد النبی اور مدرسوں کی تعمیر۔

بدعت سیئہ:

وہ نیا کام جو قرآن وحدیث کے اصول وقواعد کے خلاف ہو بدعت سیئہ کی دو قسمیں ہیں: بدعت محرمہ، بدعت مکروہہ

بدعت محرمہ: وہ نیا کام جس سے دین میں اختلاف وانتشار واقع ہو اور جس سے کوئی واجب چھوٹ جائے۔ جیسے وہابی، دیوبندی، قادیانی کے مذاہب کہ ان سے دین میں اختلاف وانتشار پیدا ہو کر مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا اور مروجہ تعزیہ داری۔

بدعت مکروہہ: وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جائے جیسے غیر عربی زبان میں

جمعہ وعیدین کا خطبہ پڑھنا۔

بدعت مباحہ:

وہ نیا کام جو منع نہ ہو اور جسے مسلمان جائز سمجھ کر بغیر ثواب کی نیت کے اختیار کریں۔ جیسے لذیذ کھانے اور مشروبات (اشعۃ اللمعات، مرقات باب الاعتصام والسنۃ فتح الباری جلد ۴)

محدثین کرام نے بدعت کو حسنہ اور سیئہ کی طرف منقسم ہونے پر ان نصوص مبارکہ کو دلیل بنائے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِیَّةَ اِ۟بْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا ۚ فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ (الحدید آیت ۲۷)

اور اس کے پیروؤں کے دل میں نرمی اور رحمت رکھی اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا اس کے نباہنے کا حق تھا تو ان کے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا۔

یعنی عیسائیوں نے اپنے لئے یہ نیا طریقہ ایجاد کیا تھا کہ پہاڑوں، غاروں اور تنہا مکانوں میں خلوت نشیں ہو کر اہل دنیا سے مخالطت ترک کر دی تھی اور عبادتوں میں اپنے اوپر مشقتیں بڑھا لئے کہ نکاح نہ کرتے نہایت موٹے کپڑے پہنتے غذا نہایت کم مقدار میں کھاتے لیکن بہت سے لوگ ان باتوں پر قائم نہ رہ سکے اور تین خداؤں کو ماننے لگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پاک کو چھوڑ کر اپنے بادشاہوں کے دین میں داخل ہو گئے۔

اس آیت کریمہ میں ابتدعوا بدعت سے مشتق ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو رہبانیت کی تعلیم نہیں دی تھی ورنہ اس عمل کو بدعت سے تعبیر نہیں کیا جاتا بلکہ لوگوں نے اسے از خود رضائے الٰہی کیلئے ایجاد کیا تھا اور چونکہ یہ کام نیک نیتی کی بنیاد پر اختیار کیا گیا تھا اس لئے رب تعالیٰ نے اس ایجاد پر عتاب نہ

فرمایا بلکہ اجر وثواب سے نوازا۔ ہاں جولوگ اسے نباہ نہ سکے ان کی مذمت فرمائی گئی۔
معلوم ہوا کہ جو کام نیک نیتی اور رضائے الٰہی کیلئے ایجاد کیا جائے وہ بُرا نہیں بلکہ دینی کام ہونے کی حیثیت سے بارگاہ ایزدی میں قبول ہے۔

ارشاد نبوی ہے: مَن احدَثَ فِیْ اَمرِنَا ھٰذا مَالَیْسَ مِنہُ فَھُوَ رَدٌّ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرے جو دین میں سے نہ ہو وہ مردود ہے۔ یعنی جو شخص اسلام میں کوئی ایسا کام ایجاد کرے جو کتاب وسنت کے مخالف ہو اور جس سے سنت اُٹھ جاتی ہو تو ایجاد کرنے والا بھی مردود اور وہ کام بھی باطل، اس سے بھی معلوم ہوا کہ دین میں ایسا کام ایجاد کرنا بُرا نہیں جو قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔

حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے تو اس کو ایجاد کا ثواب بھی ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا عمل کرنے والوں کے ثواب میں کمی واقع ہوئے بغیر اور جو شخص اسلام میں کوئی بُرا طریقہ ایجاد کرے تو اس کو اسکا گناہ بھی ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی ہوگا عمل کرنے والوں کے گناہ میں کمی واقع ہوئے بغیر۔ (مسلم کتاب الزکوٰۃ)

غور فرمایئے کہ یہ حدیث پاک واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ اسلام میں بعض ایجاد اچھا ہوتا ہے اور بعض بُرا ہوتا ہے اچھے ایجاد پر انسان کو ثواب ملتا ہے اور بُرے ایجاد پر گناہ ہوتا ہے۔

بلکہ ایک حدیث پاک میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدعت میں ضلالت کی قید لگا کر اور بھی واضح فرمادیا کہ ہر بدعت گمراہی نہیں ہے بلکہ بعض بدعت ہی گمراہی ہے ارشاد گرامی ہے:

جس نے میری ایسی سنت کو رائج کیا جسے لوگ میرے بعد چھوڑ چکے تھے اس کو

اس پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کا ثواب ملے گا اس پر عمل کرنے والے لوگوں کے ثواب میں کمی واقع ہوئے بغیر اور جس نے ایسی بدعت کو ایجاد کیا جو گمراہی ہے تو اس پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کا گناہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں بھی کمی نہ ہوگی۔ (ترمذی ج ۲ باب الاخذ بالسنۃ (ص ۹۲)

عن ابن مسعود ما راٰہُ المؤمنون حسناً فَھُوَ عند اللہِ حسنٌ

(مسند، مرقات باب الاعتصام)

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے: کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

وہابیوں کے بقول اس آخری والی حدیث کو اگر ضعیف مان بھی لیا جائے جب بھی کوئی فرق پڑنے والا نہیں کیوں کہ ضعیف حدیثیں صرف احکام میں قابل قبول نہیں کہ ان سے حلت وحرمت ثابت نہ ہوگی لیکن فضائل واستحباب میں ان کا اعتبار ہے تو ان سے فضائل واستحباب کا ثبوت ہوگا۔

امام ابن ھمام فتح القدیر میں جنازہ لے جانے کی فصل سے پہلے فرماتے ہیں: حدیث ضعیف سے عمل کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

علامہ حلبی غنیۃ المستملی سنت غسل کے باب میں رقمطراز ہیں ''غسل'' کے بعد اپنے بدن کو رومال سے پونچھنا مستحب ہے کیوں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے آپ وضو کے بعد جسم اطہر (اعضائے وضو) کو پونچھتے تھے۔ (ترمذی)

تو دیکھئے اس حدیث پاک کو ضعیف ہونے کے باوجود آپ نے بدن پونچھنے کے استحباب پر اس سے دلیل پکڑی۔

اور حدیث ضعیف سے فضائل واستحباب کے ثبوت کی تائید حدیث شریف سے

بھی ہوتی ہے ارشاد نبوی ہے:

''تمہارے پاس میری طرف سے اگر بھلائی کی خبر پہنچے خواہ میں نے وہ فرمائی ہو یا نہیں تو سمجھو کہ وہ میرا فرمان ہے اس لئے کہ میرا فرمان بھلائی کا ہوتا ہے اور اگر میری طرف سے کسی بُرائی کی خبر پہنچے تو سمجھو کہ وہ میرا فرمان نہیں ہے اس لئے کہ میں بُرائی کا حکم دیتا ہی نہیں ہوں۔ (ابن ماجہ کتاب العلم)

ان دلائل سے یہ حقیقت خوب آشکارا ہوئی کہ ضعیف حدیث سے بھی فضائل واستحباب کا ثبوت ہوگا۔

علاوہ ازیں علمائے کرام کے عمل سے بھی حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے اسی لئے امام ترمذی فرماتے ہیں ھذا الحدیث غریب ضعیف والعمل علیہ عند اہل العلم۔ یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے اس قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حدیث نا قابل عمل ہے اس لئے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے یہ علمائے کرام گمراہ ہو گئے بلکہ مطلب یہ ہیکہ یہ حدیث تھی تو ضعیف مگر علمائے امت کے عمل کی وجہ سے قوی ہوگئی ہے، اور کسی فقیہ یا محدث کا کسی حدیث کو بغیر کسی اعتراض کے قبول کر لینا بھی اس کے قوی ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔

مقدمہ مشکوٰۃ میں ہے:

میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی طرف منسوب کر دیا تو گویا حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف منسوب کر دیا۔ اور چوں کہ غسل کے بعد بدن کو رومال سے پونچھنے والی حدیث پاک پر علمائے کرام کا عمل بھی جاری ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور محدثین کرام نے اسے قبول بھی کیا ہے ورنہ اپنی کتابوں میں اسے تحریر نہ فرماتے تو پھر اس سے استحباب کے ثبوت میں کوئی حرج کیسے ہوسکتا ہے۔

اور بدعقیدے بدعت حسنہ کی تردید میں یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن

مسعود والی حدیث میں عمل سے مراد وہ عمل ہے جس پر سبھی مرد وعورت متفق ہوں۔

اس سے بھی اندازہ لگائیں کہ وہ کتنے بڑے ہٹ دھرم ہوتے ہیں کہ اس حقیقت کے اعتراف سے بھی کتراتے ہیں کہ اس طرح کے جملوں میں عموم و کثرت مراد ہوتی ہے جس کی تائید حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے بھی ہوجاتی ہے، ارشاد گرامی ہے:

بے شک میری امت گمراہی پر ہرگز متفق نہیں ہوسکتی تو اگر تم کوئی اختلاف دیکھو تو ایسی صورت میں بڑی جماعت کی پیروی کرو (ابن ماجہ کتاب الفتن)

تو دیکھئے اس حدیث پاک میں بڑی جماعت کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں مسلمان سے مراد کامل مسلمان ہوں جیسے علمائے باعمل اور ظاہر ہے کہ ساری دنیا کے علمائے باعمل اچھی باتوں کو اچھی ہی جانتے ہیں تو اجماع بھی ثابت ہوگیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب آپ ہی کے حکم سے تراویح کی باقاعدہ جماعت قائم کی گئی تو اس جماعت کو دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔ یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے (مشکوٰۃ باب قیام رمضان)

یعنی بیس رکعت باجماعت تراویح ہمیشہ اہتمام کے ساتھ پڑھنا میرا ایجاد اور بدعت حسنہ ہے، تو اس حدیث پاک میں حضرت فاروق اعظم نے صراحت کے ساتھ ارشاد فرمادیا کہ بعض بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ ہی کے حکم سے جھوٹی نبوت کے دعویدار مسیلمۃ الکذاب کے خلاف جب جنگ یمامہ منعقد ہوئی تو اس میں تقریباً سات سو ایسے صحابۂ کرام بھی شہید ہوگئے تھے جو حافظ قرآن تھے۔ اس عظیم حادثے کے بعد حضرت فاروق اعظم نے محسوس کیا کہ اگر حافظ قرآن یونہی شہید ہوتے رہے تو قرآن حکیم کا بہت سا حصہ جو ان کے سینے میں محفوظ ہے ضائع ہوجائیگا جو مذہب وملت کیلئے بڑے نقصان کی بات ہوگی لہٰذا آپ نے حضرت صدیق اکبر کی خدمت مبارکہ میں اس خدشے کا اظہار کرتے ہوئے قرآن حکیم کو جمع کروانے اور ایک جگہ لکھوانے کا مشورہ دیا ہے۔

اس پر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا جو کام حضور سید المرسلین ﷺ نے نہیں کیا وہ تم کیسے کر سکتے ہو تو حضرت عمر فاروق نے جواب دیا کہ حضور سید المرسلین ﷺ نہ اگر چہ نہیں کیا لیکن خدا کی قسم کام تو بہتر ہے۔

حضرت صدیق اکبر فرماتے ہیں پھر عمر فاروق مجھ سے اس بارے میں بحث کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا سینہ بھی کھول دیا اور میری رائے عمر کی رائے کے موافق ہوگئی پھر حضرت صدیق اکبر نے حضرت زید کو بلا کر ارشاد فرمایا تم جوان و عقلمند شخص ہو میں تم کو متہم بھی نہیں جانتا اور تم حضور سید المرسلین ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں قرآن شریف بھی لکھا کرتے تھے لہٰذا تم ہی قرآن شریف کو تلاش کرواور ایک جگہ جمع کرو۔

حضرت زید فرماتے ہیں خدا کی قسم اگر وہ کسی پہاڑ کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ مجھ پر اتنا بھاری نہ ہوتا جتنا کہ یہ کام مجھے گراں گزرا۔اس کے بعد میں نے عرض کیا آپ دونوں حضرات یہ کام کس طرح کرنا چاہتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا اس پر حضرت صدیق اکبر نے فرمایا لیکن خدا کی قسم کام ہے تو بہتر اور اس کام کے لئے آپ مجھ سے حجت کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے میرا سینہ بھی اس کے لئے کھول دیا جس طرح حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے لئے کھول دیا تھا۔

پھر میں نے قرآن حکیم کو تلاشنا شروع کر دیا اور اس کو کھجور کی شاخوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے حاصل کر کے جمع کرنے لگا یہاں تک کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت صرف حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا۔

(بخاری ج ۲، باب جمع القرآن)

معلوم ہوا کہ کسی کام کو کرنے کے لئے یہ نہ دیکھا جائے کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے اسے کیا ہے یا نہیں بلکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ کام کیسا ہے اچھا ہے یا بُرا کسی

بھی کارخیر کو ایجاد کرنا اگر بُرا ہوتا تو یہ اجلہ صحابہ کرام جمع قرآن پر ہرگز راضی نہ ہوتے تو اسلام میں یہ سب سے پہلی بدعت حسنہ تھی جسے ان بزرگوں نے عمل میں لایا۔

لیکن اس وہابی نے اپنی کتاب سرچشمۂ ہدایت میں اپنے باطل نظریات کو صحیح ٹھرانے کے لئے بدعت کی ایسی تعریف لکھی ہے جو علماء ومحدثین کی اصطلاح کے سراسر خلاف ہے۔ وہ رقمطراز ہے شریعت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جس کو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد کیا گیا ہوا سے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو نہ اس کے کرنے کا حکم دیا ہو نہ اس پر رضامندی ظاہر کی ہو اور نہ اسے صحابہ نے کیا ہو۔ (سرچشمۂ ہدایت ص ۱۱)

غور فرمایئے کہ یہ تعریف کیسی من مانی اور محدثین کی اصطلاح کے خلاف ہے تو کوئی بھی ہوشمند انسان شریعت کی اصطلاح سے اچھی طرح واقفیت رکھنے والے ان محدثین کرام کی پیش کردہ تعریف کی بجائے اس خلاف شرع تعریف کو کیسے تسلیم کرے گا۔

علاوہ ازیں اس وہابی کی پیش کردہ یہ تعریف خود حضرت فاروق اعظم کے فرمان سے بھی مسترد ہوجاتی ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے نماز تراویح کی باضابطہ جماعت قائم فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا تھا:

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔ (مشکوٰۃ باب قیام رمضان)

معلوم ہوا کہ محدثین کرام کی پیش کردہ اس تعریف کی تائید حضرت فاروق اعظم کے قول سے بھی ہوتی ہے، لیکن جب اس وہابی نے حضرت فاروق اعظم کے صریح فرمان سے بھی اپنے فاسد قول کی تردید دیکھی تو بدحواسی میں بول پڑا کہ یہاں بدعت سے مراد بدعت لغویہ ہے۔

ذرا غور تو کیجئے کہ یہ کیسی بے تکی بات ہے کیوں کہ جب بدعت لغویہ ہی کی بنیاد پر حضرت فاروق اعظم کا یہ فعل درست ہے تو پھر کوئی بھی بدعت غلط نہ ہوگی کہ سب پر بدعت لغویہ (نئی چیز صادق آتی ہے)

معلوم ہوا کہ یہ فعل بدعت حسنہ کی بنیاد پر پسندیدہ اور قابل عمل ہے نہ کہ بدعت لغویہ کی بنیاد پر اور بدعت لغویہ مراد لینے پر دوسری خرابی یہ لازم آئیگی کہ اس صورت میں حضرت فاروق اعظم کا یہ فعل شرعی نہ ہوگا بلکہ صرف لغوی ہو جائیگا۔

اور اس حدیث پاک کو جو وہابی اپنے باطل قول کی تائید میں دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا:

''كُلُّ بدعةٍ ضَلَالَةٌ'' ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

تو اس سے بھی ان کا قول ثابت نہ ہوگا کہ یہاں بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ہر بُری بدعت گمراہی ہے کیوں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اس عمل کا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر ملے گا اور بدعت کو گمراہی ہونے میں بُری کی قید اس لئے بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے قرآن حکیم کو جمع کیا حضرت زید نے اس کو صحیفہ میں لکھا اور عہد عثمان میں اس کی تجدید کی گئی اگر یہ کام بھی گمراہی ہوتے تو یہ بزرگان دین ایسا ہرگز نہ کرتے معلوم ہوا کہ صرف بُری بدعت ہی گمراہی ہے۔'' (مرقات شرح مشکوٰۃ)

اور ابن حجر مکی رقمطراز ہیں حدیث شریف میں جو ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں لے جائیگی تو اس حدیث کو بدعت محرمہ پر محمول کیا گیا ہے اس کے علاوہ اور کسی پر نہیں۔ (فتاوىٰ حدیثیہ ۱۳۰)

کیوں کہ حدیث شریف سے اگر ہر طرح کی بدعت مراد لی جائے تو پھر شریعت سے امان اٹھ جائیگا اور قرآن حکیم میں اعراب و نقطے کا اضافہ جو کہ عہد رسالت وصحابہ میں نہ ہوا نہ قرآن حکیم میں اس کا حکم دیا گیا بلکہ یہ نو ایجاد کام عہد تابعین میں ظالم و جابر گورنر حجاج بن یوسف نے کروایا۔

اسی طرح مسجدوں میں محراب ومینار کا ایجاد جو کہ نہ عہد رسالت میں ہوا نہ عہد صحابہ میں اور نہ عہد تابعین میں بلکہ یہ نو ایجاد کام تبع تابعین کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انجام دیا کہ آپ ہی نے سب سے پہلے مسجد نبوی شریف کی تعمیر جدید کے موقع پر اس میں محراب وکنگورے اور مینار بنوائے۔

اسی طرح تثویب یعنی اذان کے بعد جماعت سے پہلے صلوٰۃ پکارنے کا ایجاد جو کہ فقہائے متاخرین نے کیا یہ سب کام وہابی ضابطے کے مطابق بدعت سیئہ اور حرام ہو جائیں گے اور دور جانے کی بھی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود ان وہابیوں سے پوچھئے کہ سالانہ جلسئہ دستار منعقد کرنا، مدارس کا ششماہی وسالانہ امتحان اور دارالعلوم دیوبند کا جشن صد سالہ منانا جو بہت بعد کا ایجاد ہے ان پر وہ حرام وبدعت سیئہ ہونے کا حکم کیوں نہیں لگاتے؟

اس وہابی کی یہ کتاب سرچشمۂ ہدایت نہیں بلکہ جھوٹ وبہتان اور دجل وفریب کا سرچشمۂ ہے چنانچہ اسی بحث میں وہ رقمطراز ہے:

> لوگ اولیاء وصالحین کی قبروں پر سجدہ کرنے لگے اور سجدہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ایک سجدہ اللہ کے لئے جس میں پانچ شرائط رکھی گئی اور دوسرا سجدۂ تعظیمی جو مزاروں کے لئے قرار دیا گیا۔ (سرچشمۂ ہدایت ص ۱۲)

غور فرمایئے کہ یہ کتنا بڑا جھوٹ وبہتان ہے کیوں کہ علمائے اہل سنت نے کبھی بھی سجدۂ تعظیمی کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ ان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی ناجائز وحرام ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

> السجدة حرامٌ لِغيرِهٖ سُبْحانَهٗ۔ غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہے (شرح فقہ اکبر ۲۳۰)

اور فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۳۱ پر ہے:

مَنْ سَجَدَ لِلسُّلْطانِ عَلىٰ وَجْه التَّحِيَّةِ اوقَبّلَ الاَرْضَ بينَ

یَدَیْہ لا یُکفّرُ وَلٰکِنْ یاثمُ لِاِر تکابِ الکَبیْرَۃِ وَھُوَ الْمُختارُ وَقَالَ الفَقِیْہ ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ اِنْ سَجَدَ لِلسُّلْطانِ بنیّۃِ العِبادَۃِ اَوْلَمْ تحضُروہُ النیۃُ فقَدْ کَفَرَ۸۔ یعنی جس نے بطور تحیت بادشاہ کو سجدہ کیا یا اس کے سامنے زمین چومی تو کافر تو نہ ہوا مگر ارتکاب کبیرہ کے سبب گنہگار رہوا مذہب مختار یہی ہے اور فقیہ ابوجعفر رحمۃ للہ علیہ نے فرمایا کہ اگر عبادت کی نیت سے بادشاہ کو سجدہ کیا یا اس وقت عبادت وتحیت کسی چیز کی نیت نہ تھی تو بے شک کافر ہو گیا۔

اور سجدہ تعظیمی کی حرمت پر مجدد اعظم امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ''الزبدۃ الزکیۃ لحرمۃِ سُجودِ التَّحِیَۃِ'' بھی موجود ہے۔





تصوف

تصوف کہتے ہیں تزکیہ نفس یعنی نیک خصلتوں سے مزین ہونے اور تمام بُری عادتوں بشری کدورتوں اور نفسانی خواہشات کو دل سے نکال دینے کو اور ان صورتوں کو اپنانے سے نفس بشری کدورتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

انسان زیادہ کھانے پینے سے پرہیز کرے کہ اس پر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل رہا ہے اور یہی آپ کی پسند تھی حدیث شریف میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو دن متواتر جو کی روٹی بھی کبھی سیر ہو کر نہیں کھائی یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ (ترمذی ج ۲ ص ۵۹)

آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک ایک مہینہ ایسا گزر جاتا کہ ان کے کسی گھر میں دھواں تک نظر نہ آتا۔ (ابن ماجہ ص ۳۱۵) اور قلبی پاکیزگی کے لئے کم کھانے کو اہمیت اس لئے حاصل ہے کہ زیادہ کھانا نفس کے غالب آنے کا سبب ہے اور نفس کا غلبہ نیکیوں سے غفلت پیدا کر دیتا ہے جس پر گناہوں کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے۔

لیکن کم کھانے سے نفس کمزور پڑ جاتا ہے اور نفس کے کمزور پڑنے سے روحانیت و بزرگی قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ کم کھانے سے نفس کو کمزور پڑنے ہی کی وجہ سے نکاح کی صلاحیت نہ رکھنے والوں کو روزے کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص نکاح کی صلاحیت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرے اس لئے کہ نکاح آنکھوں کو بُرائی اور فرج کو زنا سے روکتا ہے اور جسے نکاح کی صلاحیت نہ ہو اسے روزہ رکھنا چاہئے

اس لئے کہ وہ زنا سے بچنے کے لئے ڈھال کا کام دیتا ہے (تفسیر روح البیان پ۱۸ص ۲۱۲)

انسان کم سوئے اور عبادات و ریاضات کے لئے زیادہ سے زیادہ جاگنے کو اپنا معمول بنالے۔حدیث شریف میں ہے حضور سید المرسلین ﷺ پوری پوری رات نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ آپ کو اپنے نفس مبارک پر کچھ آسانیاں کرنے کا حکم دیا گیا۔(تفسیر معالم تنزیل)

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۙ﴿۲﴾ (سورہ طٰہٰ)

اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔

اس آیت مبارکہ کے تحت صاحب مدارک رقمطراز ہیں:

حضور سید المرسلین ﷺ عبادت میں بہت جہد فرماتے اور پوری پوری رات کو قیام میں گذار دیتے یہاں تک کہ قدم مبارک پر ورم آجاتا حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ بحکم الٰہی حاضر بارگاہ ہوکر عرض گزار ہوئے کہ آپ اپنے نفس پاک کو بھی کچھ راحت دیجئے کہ اس کا بھی حق ہے اور زیادہ سونے کو ناپسند ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس سے نفس قوی ہوجاتا ہے جو عبادات میں غفلت وسستی کا سبب ہے نیز زیادہ سونے پر عبادات وریاضات کے لئے وقت کم بچ پائے گا جبکہ زیادہ سے زیادہ عبادت کرنا شریعت کو مطلوب ہے۔انسان زیادہ بولنے سے بھی بچے ،قاضی عیاض تحریر فرماتے ہیں آپ ﷺ اکثر خاموش رہتے اور بغیر حاجت کلام نہ فرماتے۔(شفا، ج۱ص ۱۳۸)

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے حضور اکثر خاموش رہنے والے تھے۔(مشکوٰۃ ص ۵۱۲)

انسان قہقہہ اور فضول باتوں سے بھی کنارہ کش رہے کہ ان سے روحانی قوت میں کمی آجاتی ہے عبادات کے لئے دل میں غفلت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ مردہ ہوجاتا ہے پھر احساس گناہ بھی نہیں رہتا۔

اسی طرح دیگر خواہشات نفسانی تکبر وغرور، حسد وکینہ، بغض وعناد اور سرکشی جیسے اخلاق رذیلہ سے بھی محفوظ رہے کہ ان سے دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ۔ (سورہ مطففین ۱۴)

ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے۔

یعنی اعمال بد کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود اور سیاہ ہوگئے ہیں۔ جبکہ دلوں کو گناہوں کے زنگ ودھبہ سے پاک وصاف کرنا اسلام کا مطلوب ہے ارشاد نبوی ہے:

وانَّ فِيْ الْجَسَدِ مُضْغَةً اذا صلحت صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔ (بخاری ج۱ ۱۳)

بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہوجائے تو پورا جسم درست ہوجاتا ہے اگر وہ بے کار ہوجائے تو پورا جسم بے کار ہوجاتا ہے خبردار وہ ''دل'' ہے۔

اور گناہوں کے زنگ ودھبہ بشری کدورتوں سے دلوں کو صاف کرنے اور مزید چمکانے کے مختلف طریقے ہیں۔

بندہ توبہ واستغفار اور گریہ وزاری کرے کہ ارشاد نبوی ہے جب کوئی مومن گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ آجاتا ہے پھر اگر وہ توبہ واستغفار اور گریہ وزاری کرے تو اس کا دل اس سیاہی سے پاک ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر وہ گناہوں میں زیادتی کرے تو اس سیاہی میں اضافہ ہوجاتا ہے یہی وہ زنگ وسیاہی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی

کتاب میں اس طرح فرمایا ہے کہ ہر گز نہیں بلکہ (اصل وجہ ان کی تکذیب کی یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کے اعمال بد کی وجہ سے زنگ بیٹھ گیا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

اور ان کے علاوہ دیگر اعمال صالحہ کو بھی بندہ اپنا معمول زندگی بنالے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفِی النَّھَارِ وَزُلَفاً مِّنَ اللَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّأٰتِ ط (سورہ ھود ۱۱۴) اور نماز قائم رکھو دن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں بے شک نیکیاں بُرائیوں کو مٹادیتی ہیں۔

دن کے دو کناروں سے صبح وشام مراد ہیں صبح کی نماز فجر اور شام کی نماز ظہر وعصر ہیں اور رات کے حصوں کی نماز میں مغرب وعشاء ہیں۔

اور دیگر اعمال میں بندہ خلوت نشیں ہو کر مخصوص عبادات وریاضات بھی کرے کہ عبادات کے لئے خلوت نشیں ہونا حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے علامہ حلبی فرماتے ہیں:

اَلِفَ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ الْعِبادَۃَ وَالْخَلْوۃَ فِیْ حَالِ کَوْنِہٖ طِفْلاً۔ (السیرۃ الحلبیۃ ج۱ ص ۳۸۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن ہی سے عبادت وخلوت سے انس تھا۔

یہاں تک کہ نزول وحی کا زمانہ قریب آتے ہی خلوت پسندی میں شدید اضافہ ہو گیا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

ثُمَّ حُبِّبَ اِلَیْہِ الْخَلَاءُ وَکَانَ یَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءَ فَیَتَحَنَّثُ فِیْہِ وَھوَ التَّعَبُّدُ اللَّیَالِیَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ۔ (بخاری ج۱ ص ۲)

پھر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گوشہ نشینی محبوب ہوگئی اور آپ غار حرا

میں گوشہ نشیں ہوکر متعدد راتیں (ملت ابراھیم کے مطابق
)عبادات میں مصروف رہے۔
آپ یہ بھی فرماتی ہیں:
وحَبَّبَ اللهُ تَعَالیٰ اِلَیۡهِ الۡخِلۡوَةَ فَلَمۡ یکُنۡ شیئٌ اَحبَّ اِلَیۡهِ مِنۡ
انۡ یّخۡلُوۡ وَحۡدَهٗ (سیرت ابن ھشام ص ۲۲۴)
اللہ تعالیٰ نے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل میں خلوت نشینی کی محبت ڈال دی تھی یہاں تک کہ حضور کو خلوت نشینی سے زیادہ کوئی کام پسند نہ تھا۔
حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خلوت نشینی کبھی تین دنوں کے لئے کبھی سات دنوں کے لئے کبھی تیس دنوں کے لئے کبھی چالیس دنوں کے لئے ہوا کرتی تھی ۔اسی سنت کی وجہ سے صوفیائے کرام کے یہاں چالیس دن تک کے چلوں کا معمول ہے۔ بندہ رب کائنات کے اسم ذات کے ذریعے ذکر بھی کرے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ. اوراپنے رب کے نام (اللہ) کا ذکر کیجئے اور سب سے کٹ کر اسی کی طرف ہوجایئے۔ (سورہ مزمل آیت ۸)
قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
ربّ کائنات کے فرمان وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّكَ سے اسم ذات کی تکرار کی طرف اشارہ ہے(تفسیر مظہری ج ا ص ۱۱۱)
بندہ ذکر نفی واثبات بھی کرے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ وہ مشرق ومغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (سورہ مزمل آیت ۹)
حدیث شریف میں بھی نفی واثبات کی تلقین موجود ہے ارشاد نبوی ہے:
اَلاِیۡمَانُ بِضۡعٌ وَّ سَبۡعُوۡنَ شُعۡبَةً فَافۡضَلُهَا قَوۡلُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ
وَاَدۡنٰهَا اِمَا طَةُ الۡاَذٰی عَنِ الطَّرِیۡقِ وَالۡحَیَاۤءُ شعۡبَةٌ مِّنَ

الْاِیْمَانِ (مشکوٰۃ کتاب الایمان)

یعنی ایمان کی ستر اور کچھ شاخیں ہیں ان میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے کمتر راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیاء ایمان کی شاخ ہے۔

اور صوفیائے کرام نے ان اصول وضوابط کے ذریعے مجاہدات کو اپنا معمول زندگی اس لیے بنایا کہ تصوف (تزکیۂ نفس) اسلام کا محبوب ومطلوب عمل ہے اور قرآن وسنت میں اس پر بڑا زور دیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رسولاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَيَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ والْحِكْمَةَ (سورہ ال عمران آیت ۱۶۴)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

یعنی وہ رسول لوگوں کو کفر وضلالت، ارتکاب محرمات ومعاصی، خصائل ناپسندیدہ، ملکات رذیلہ (گھٹیا مہارتوں) اور ظلمات نفسانیہ سے پاک فرماتا ہے اسی طرح قرآن وحکمت بھی سکھاتا ہے یعنی نفس کی قوت عملیہ طاعت وفرماں برداری کی رغبت وشوق اور وقوت علمیہ (عقل وشعور ذہانت وفطانت) کی تکمیل فرماتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ (سورہ اعلیٰ آیت ۱۴)

بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ (سورہ شمس آیت ۱۰/۹)

بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت حسن بصری فرماتے ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰى نَفْسَهٗ وَاَصْلَحَهَا وَحَمَلَهَا عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ۔ (معالم التنزیل ج ۷ ص ۲۱۰)

وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا اور اس کی اصلاح کرلی اور اس کو اللہ کی طاعت پر آمادہ کرلیا۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ (سورۂ نازعات آیت ۴۰/۴۱)

اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے۔

لِلْفُقَرَاۤءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۤءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۷۳)

ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان انھیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب تو انھیں ان کی صورت سے پہچان لے گا لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔

یعنی صدقات مذکورہ جو آیت کریمہ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ میں ذکر ہوئے ان کا بہترین مصرف وہ فقراء ہیں جنھوں نے اپنے نفوس کو طاعت الٰہی اور جہاد پر روکا۔ وہ زمین میں چل نہیں سکتے کیوں کہ انھیں دینی کاموں سے اتنی فرصت کہاں کہ چل پھر کر کسب معاش کرسکیں اور چوں کہ وہ کسی سے سوال نہیں کرتے اس لئے ناواقف لوگ انھیں مالدار خیال کرتے ہیں تم انھیں ان کی صورت سے پہچان لوگے کہ مزاج میں تواضع وانکسار ہے چہروں پر ضعف کے آثار ہیں بھوک سے رنگ زرد پڑ گئے ہیں (خزائن العرفان)

اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہیکہ مسجد نبوی کے پاس ایک صفہ (چبوترہ

) تھا جہاں ستر سے سات سوتک فقراء مہاجرین ہمہ وقت تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کی جد وجہد میں مصروف رہا کرتے انہیں اصحاب صفہ (چبوترہ پر رہنے والے) کہا جاتا ہے(کائنات تصوف)

ان حضرات کے پاس نہ گھر تھا نہ دنیاوی سامان نہ کوئی کاروبار یہ ہمیشہ مسجد نبوی شریف میں حاضر رہتے دن کو روزہ رکھتے اور قرآن حکیم کی تلاوت کرتے رات کو شب بیداری اور نوافل میں گزارتے اور جب بھی لشکر اسلام کے ساتھ جانے کی ضرورت پڑتی یہ حضرات حاضر رہتے انکی نہ شادی ہوئی تھی نہ ان کا یہاں کوئی کنبہ وقبیلہ تھا ان کی غربت کا یہ حال تھا کہ ان میں ستر افراد کے پاس ستر پوشی کے لئے بھی پورے طور پر کپڑے موجود نہ تھے۔

مذہب اسلام میں صوفیائے کرام کی یہ سب سے پہلی باقاعدہ جماعت تھی جنہوں نے اپنے آپ کو عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ کے لئے وقف کردیا تھا انہیں حضرات کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں انہیں صدقات وخیرات دینے کے لئے مسلمانوں کو رغبت دلائی گئی ۔ (تفسیر کبیر،خزائن العرفان)

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ ان حضرات کے پاس تشریف فرما ہوئے تو ان کی سخت فقیری اور بھوک کی شدت کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا اے صفہ والو میری امت میں سے جو تمہاری طرح صابر وشاکر اور پرہیز گار ہوگا وہ قیامت میں میرا رفیق ہوگا پھر فرمایا اے لوگو ایک وقت آنے والا ہے جب تمہارے سامنے دستر خوان پر غذاؤں کے پیالے رکھے جائیں گے انہوں نے عرض کیا یا حبیب اللہ تو اس دن ہم بڑے ہی خیر میں ہوں گے فرمایا نہیں بلکہ آج ہی بڑے خیر میں ہو (کہ جو روحانیت اس فاقہ کشی میں ہے وہ شکم سیری اور آسائش میں کہاں) (تفسیر نعیمی سوم)

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (سورہ انعام آیت ۵۲)

اور دور نہ کرو انھیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے۔اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں طبرانی وبیہقی میں ہے کہ ایک دن اقرع بن حالیس تمیمی اور عینیہ بن حسن فزاری وغیرھم مشرکین عرب حضور سید المرسلین ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو وہاں آپ کے جاں نثار صحابہ کرام میں سے حضرت بلال ،حضرت صھیب ،حضرت عمار اور حضرت خباب وغیرھم فقراء صحابہ کو موجود پائے ان مقدس صحابہ کرام کی مفلسی کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے اکثر کے جسموں پر صرف ایک کمبل تھا ان مشرکین نے ان معزز صحابہ کرام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے حضور سید المرسلین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا ہمیں ان فقراء کے ساتھ بیٹھنے میں شرم آتی ہے کیوں کہ جب لوگ ہمیں ان کے ساتھ دیکھیں گے تو وہ بہت بُرا خیال کریں گے لہذا اگر آپ انھیں اپنے پاس سے نکال دیں تو ہم یہاں بیٹھا کریں گے تو حضور سید المرسلین ﷺ نے ان کی یہ درخواست مسترد کر دی اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں آپ کے فیصلے کی تائید کی گئی۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جب آپ نے ان کی بات نہ مانی تو وہ بولنے لگے اچھا ایسا کیجئے آپ انھیں اپنی بارگاہ سے تو نہ نکالیں لیکن ہمارے لئے کوئی خاص وقت مقرر فرمادیں کہ اس وقت صرف ہم ہی لوگ آپ کی بارگاہ میں رہ کر وعظ ونصیحت سنا کریں،اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور سے عرض کیا یارسول اللہ ایسا کرنے میں حرج ہی کیا ہے ابھی ان میں غرور ہے لیکن ممکن ہے کہ حضور کی صحبت سے یہ لوگ ایمان لے آئیں اور غرور ان کے دل سے نکل جائے حضور نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی لیکن کفار بولنے لگے اس وعدہ کی ہمیں تحریر بھی دے دی جائے اس وعدہ کو لکھنے کے لئے حضرت علی المرتضی کاغذ قلم اور دوات بھی لے آئے تو ٹھیک اس

وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ محبوب ان کفار کے کہنے پر اپنے مخلص صحابہ کرام کو اپنی مجلس سے نہ روکیں یہ حکم ملتے ہی آپ نے وہ کاغذ پھینکوا دیئے اور حضرت عمر فرماتے ہیں اس اصرار پر میں نے توبہ کی۔ (تفسیر کبیر، روح البیان)

آیت کریمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اے محبوب وہ فقراء جن کی عبدیت وعبودیت کا حال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور دلی اخلاص وحسن نیت کا حال یہ ہے کہ وہ دیکھاوے اور نام ونمود کے لئے نہیں بلکہ صرف رضائے الٰہی کے لئے عبادت کرتے ہیں ایسے مخلص عابدین کو اپنی کسی مجلس میں آنے سے نہ روکیں کہ یہ تو آپ کی مجلس کے لئے زینت ہیں اور کفار کی بکواس پر آپ دھیان نہ دیں کہ یہ لوگ محض ریا کار ہیں۔

معلوم ہوا کہ گریہ وزاری اور خلوص وحسن نیت کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی قدر ومنزلت بارگاہ خداوندی میں اتنی بلند ہے کہ ان کی حمایت ومدح سرائی میں آیت قرآنی نازل فرمادی گئی اور ان بزرگوں کا گریہ وزاری کرنا عجز وانکسار کے ساتھ ہمیشہ یاد خدا میں ڈوبا رہنا اور خلوص کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کرنا تصوف نہیں تو پھر کیا ہے۔ (تفسیر نعیمی)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَاللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًاوَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰت عِنْدَ رَبِّھِم وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌکَرِیْمٌ ۝ ۔ (سورہ انفال آیت ۲،۳،۴)

ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لئے درجے ہیں

ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

یعنی قابل قدر اور کامل مؤمن کا حال یہی ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ہیبت الٰہی اور جلال کبریائی سے ڈر جائیں اور جب ان کے سامنے کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کرے تو ان کی کیفیت ایمانی ترقی پا جائے اور ایمان تازہ ہو جائے ۔(ورنہ مقدار کے لحاظ سے ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں)

یہ حضرات صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں کبھی اسباب پر عمل کر کے اور کبھی اسباب سے بے نیاز ہو کر اور ہمیشہ صحیح طور پر دل جمعی کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور ہماری دی ہوئی روزی سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں یہی حضرات سچے پکے مخلص مومن ہیں جو ان پانچ صفات سے متصف ہیں ان کے لیے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند درجات ہیں ان سے تمام گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے اور ان کے لئے دنیا وآخرت میں عزت کی روزی ہے۔ (تفسیر نعیمی)

اگر انصاف کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت پورے طور پر آشکارا ہو جائیگی کہ ان آیات مقدسہ میں جن باتوں کو ذکر فرمایا گیا ہے تصوف بھی انھیں باتوں کی تعلیم دیتا ہے اور یہی صوفیاء کا معمول زندگی ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۔ (سورہ کہف آیت ۲۸)

اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انھیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگار چاہو گے اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ سرداران کفار کی ایک جماعت نے حضور سید المرسلین ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ہمیں غرباء وشکستہ حالوں کے ساتھ بیٹھتے شرم آتی ہے لہذا اگر آپ انھیں اپنی صحبت سے جدا کر دیں تو ہم اسلام لے آئیں اور ہمارے اسلام لے آنے سے خلق کثیر اسلام لے آئیگی اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ (خزائن العرفان)

یعنی اے محبوب آپ ہمیشہ انھیں مخلصین ،مساکین ،فقراء اور سیدھے سادے عاجزوں کے ساتھ رہئے جو نہایت خلوص والتجاء فریاد اور خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اور ان کفار سے دور رہیئے جو کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب اپنے پاس سے ان غریب اور پھٹے پرانے کپڑے والے مسلمانوں بلال ویاسر ،خبیب وصہیب ،سلمان فارسی ،عبداللہ بن مسعود اور اصحاب صفہ کو ہٹا دیں یا کم از کم ہمیں ہوتے ہوئے ان کو اپنے پاس نہ آنے دیں کہ ہم کو ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔

اے محبوب آپ ان مکاروں کی باتوں میں نہ آیئے اور اپنی راحت وعافیت والی نگاہوں کو ان پاکیزہ باطن والوں سے نہ ہٹایئے کیوں کہ آپ کی محفل ہی تو ان کی زندگی ہے۔ (تفسیر نعیمی)

غور فرمایئے کہ یہ صحابہ آخر کون تھے صوفیائے کرام ہی تو تھے جن کے دلی جذبات اور گریہ وزاری کی بارگاہ ایزدی میں قدر ومنزلت کا یہ حال تھا کہ ان کی عظمت وشان اور تائید وحمایت میں آیت قرآنی نازل فرمادی گئی۔اور حدیث شریف میں ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَارِزًا يَوْمًا لِّلنَّاسِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ اَلْاِيْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَبِلِقَائِهٖ وَرُسُلِهٖ وَتُؤْمِنُ بِالْبَعْثِ قَالَ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمَ

الصَّلٰوۃَ وَتُؤَدِّیَ الزَّکٰوۃَ وَتَصُوْمَ رَمْضَانَ قَالَ مَا الاحْسَانُ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ (بخاری کتاب الایمان)

ایک دن حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا ایمان کسے کہتے ہیں فرمایا ایمان یہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے اور آخرت میں اللہ سے ملنے اور اس کے رسولوں اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے پر ایمان لاؤ پھر پوچھا اسلام کیا ہے؟ فرمایا اسلام یہ ہے کہ اس کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اس نے پھر پوچھا احسان کیا ہے؟ فرمایا تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

بندوں کی نجات کے لئے صرف ایمان (تصدیق قلبی) واسلام (ظاہری اعمال صالحہ) ہی کافی ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحَاتِ۔ ایمان و نیک عمل والے ہی فائدے اور نجات میں ہیں۔

لیکن پھر بھی حدیث رسول میں احسان کو بھی ذکر فرمایا گیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایک تیسری چیز بھی ہے جس کا تعلق ایمان واسلام کی حقیقت سے ہے اور وہ احسان ہے جسے تصوف بھی کہا جاتا ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو احسان کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے کہ تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

تو اس حدیث پاک کی تشریح میں امام نووی رقمطراز ہیں: حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو احسان کے دو درجے بیان فرمائے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض کوئی اس بات پر قادر ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسے دیکھے

تو اس وقت عبادات کو پورے کمال اور انتہائی آداب دربار کے ساتھ انجام دیگا اور ان کے ظاہری ارکان و آداب اور باطنی خشوع وخضوع میں سے کسی بھی چیز میں کمی نہ کرے گا تو تم بھی ہر حال میں اسی طرح عبادات کرو گویا کہ تم خدا کے سامنے کھڑے ہو یا خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی وملا علی قاری فرماتے ہیں احسان کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے اسماء وصفات کے ذریعے مسلمانوں پر معرفت الٰہیہ کا اتنا زیادہ غلبہ ہو جائے اور جمال ذات باری تعالیٰ میں وہ اس قدر کھو جائے کہ سمجھنے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس مقام پر تو نہ ہو لیکن اس کے ذہن میں یہ بات ہر وقت رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔

اور صوفیائے کرام کو جمال ذات باری تعالیٰ میں کھو جانے کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ہو جاتا ہے: حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم مبارک کے کسی عضو میں زخم تھا لوگ اس عضو کو کاٹنا چاہتے تھے تو نماز کی حالت میں اسے کاٹ دیا گیا لیکن احساس بالکل نہ ہوا اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ مخلوق کے حسن و جمال میں محویت کا یہ عالم ہے کہ مصر کی عورتوں نے جلوۂ یوسف دیکھنے کے بعد لیموں کی جگہ اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں لیکن انھیں احساس بھی نہ ہوا تو جن نفوس قدسیہ کے سامنے تجلیات خالق بے حجاب ہوتی ہوں انھیں اپنا یا گردوپیش کا کب احساس ہوسکتا ہے تو حضور سید المرسلین ﷺ نے جو احسان کی وضاحت فرمائی ہے اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف الگ سے کوئی چیز نہیں بلکہ وہ تو عین احسان ہے جو شریعت کو مطلوب ہے تو پھر اس سے انکار حماقت وجہالت کے سوا کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

یہ سب بیانات اس حقیقت پر روشن دلیل ہیں کہ تصوف کے اصول وضوابط اور طریقے بلکہ خود نفس تصوف بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ ورسول کو مطلوب اور تعلیمات اسلامیہ کے مطابق ہیں اس کے باوجود سرچشمۂ ہدایت کے

مصنف کا اس روحانی عمل کو فلسفی اور غیر اسلامی عقائد ونظریات سے تعبیر کرنا کتنی بے غیرتی کی بات ہے جبکہ خود وہابیوں کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی نے بھی تصوف کی تائید کی ہے وہ لکھتا ہے:

''نیز اکابر طریقت نے اگر چہ اذکار ومراقبات وریاضات ومجاہدات کی تعیین میں جوراہ ولایت کے مبادی ہیں کوشش کی ہیں لیکن بحکم اس مصرعہ کے''ہر سخن وقتے وہر نکتہ مقامے دارد''یعنی ہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہیں۔(صراط مستقیم ص ۱۴)

اس عبارت کا مطلب یہی ہے کہ تصوف کے اشغال صوفیاء کا ایجاد ہے جو ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہے ہیں اور یہ جائز ہی نہیں بلکہ راہ سلوک بھی انھیں سے طئے ہوتے ہیں۔

جناب اب ایک دفعہ اور بول دیجئے کہ تصوف غیر اسلامی عقیدہ ہے وہابی مؤلف نے شیخ محی الدین ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود پر بھی سخت تنقید کی ہے کہ صوفیاء کے نزدیک ہر چیز اللہ ہے(العیاذ باللہ)

حالانکہ اہل سنت وجماعت اور صوفیاء کا اس باطل عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں۔امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رہا اتحاد وہ بے شک زندقہ والحاد اور اس کا قائل ضرور کافر اتحاد یہ کہ یہ بھی خدا وہ بھی خدا سب خدا بے شک الٰہ الٰہ ہے اور عبد عبد ہر گز نہ عبد اللہ ہوسکتا ہے اور نہ الٰہ عبد کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ۔(القصص ۸۸)ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔(فتاویٰ رضویہ ج ۴،ص ۱۶۴)

تو صوفیاء پر ان کا الزام ان کے ناقص فہم وادراک اور کم علمی کو واضح کرتا ہے جناب پہلے آپ اپنے بغض وعناد والے دل میں بزرگوں کی عقیدت ومحبت تو پیدا کیجئے

پھر اکابر اہل سنت کی پیش کردہ اس کی تشریح کے مطالعہ سے آپ کا ذہن کھل جائیگا اور اس کے صحیح مفہوم ومطلب کی لذت سے وہ معمور ہوجائیگا دیکھئے بزرگوں نے وحدۃ الوجود کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔

ذاتی وجود صرف رب تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے سوا جتنے بھی موجودات ہیں سب وجود باری تعالیٰ کے ظلال و پرتو ہیں مثال کے طور روشنی بالذات آفتاب وچراغ میں ہے زمین ومکان ذاتی طور پر بےنور ہیں مگر آفتاب کی وجہ سے ساری دنیا اور چراغ کی وجہ سے پورا گھر روشن ہوتا ہے زمین ومکان کی روشنی سورج وچراغ ہی کی ہوتی ہے اگر سورج کی روشنی اٹھالی جائے تو یہ سب تاریک رہ جائیں۔

اسی طرح ذات باری تعالیٰ کے وجود سے تمام موجودات کو وجود ملا ہے تو حقیقتاً وجود ایک ہی ٹھہرا اسی لئے شیخ محی الدین ابن عربی نے وحدۃ الوجود کا قول کیا ہے۔

اسی ضمن میں شیخ مجدد الف ثانی کی ایک اصطلاح وحدۃ الشہود کے مفہوم سے بھی روشناس ہوجایئے وحدۃ الشہود کا مطلب یہ کہ تمام کائنات رب کائنات کے ظلال وعکوس اور مظہر ہیں۔

اسی لئے صاحب مرتبہ کو ہر جگہ اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے مثال کے طور پر اگر کوئی ایسے گھر میں داخل ہو جہاں چاروں طرف سے آئینہ ہو تو ہر طرف وہ اپنے آپ کو ہی دیکھے گا کیوں کہ یہ اصل اور تمام صورتیں اس کے ظلال وعکوس ہیں مگر یہ صورتیں اس شخص کی صفات ذات مثلاً سمع وبصر سے متصف نہ ہوں گی اس لئے کہ یہ صرف اس کے ظاہری جسم کے ظلال ہیں ذات کے نہیں اور سمع وبصر ذات کی صفتیں ہیں لیکن انسان ذات باری تعالیٰ کا ظل وعکس ہے لہٰذا صفات باری تعالیٰ کے ظلال سے بھی حسب استعداد متصف ہوگا۔

اس وہابی مؤلف نے دجل وفریب کی اپنی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے صوفیائے کرام کی مقدس جماعت پر عقیدۂ حلول کا بھی بے بنیاد الزام لگایا ہے جبکہ اس

باطل عقیدے سے یہ مقدس ہستیاں پورے طور پر بیزار ہیں ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔امام احمد رضا خان رقمطراز ہیں:

''توحید مدار ایمان ہے اور اس میں شک کفر ہے وحدت وجود حق ہے قرآن عظیم واحادیث کریمہ اور اکابرین دین کے ارشادات سے ثابت ہے''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ، کُلُّ شئیٍ ھَالِک ۔ اِلّا وَجھَہ۔(سورہ قصص ۸۸)ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔

ارشاد نبوی ہے ۔اَصْدَقُ کَلِمَۃٍ قَالَھَا الشَّاعِرُ کَلِمَۃُ لُبَیْدٍ اَلَا کُلُّ شئیٍ مَا خَلَا اللّٰہ باطل ؕ۔(بخاری ج ۲ ص ۹۰۸)

جو باتیں کسی شاعر نے کہیں ان میں سب سے سچی بات لبید کی ہے کہ سن لو اللہ تعالیٰ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے(فتاوی رضویہ مترجم ۱۴ ص ۶۴۱)

توجب ہر چیز فانی ہے اللہ کے سوا تو پھر اللہ تعالیٰ کا حلول کسی چیز میں کیسے ہوسکتا ہے۔

اس وہابی مؤلف نے بزرگوں پر تجلیات ربّانی ہونے کی بھی مخالفت کی ہے کیوں کہ وہابی بزرگوں کے علوم مرتبت اور عظمت واہمیت ہی کے منکر ہوتے ہیں جبکہ درحقیقت بزرگان دین ایسی بخشش وعنایت سے سرفراز ہوسکتے ہیں۔

سنئے جناب جب دل بشری کدورتوں اور رب تعالیٰ کے ماسوا کے وجود سے مصفّٰی و مجلّٰی ہوجاتا ہے اور کمال درجہ کی صفائی وستھرائی سے بندہ بہرہ ور ہوجاتا ہے تو پھر ایسا دل تجلیات ربّانی کے لائق بن جاتا ہے اور رب کائنات اپنے مقرب بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اپنی تجلّی نازل فرمادیتا ہے اس لئے کہ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیہِ مَنْ یَّشَاءُ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کے قریب ایک درخت سے یہ ندا سنی تھی کہ یٰمُوْسیٰ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۵۔(سورہ قصص آیت ۳۰)

اے موسیٰ بے شک میں ہی ہوں اللہ رب سارے جہان کا۔

تو کیا یہ درخت نے کہا تھا نہیں بلکہ رب العلمین نے درخت پر تجلی فرمائی اور حضرت کلیم کو اس میں سے ندا سنائی دی۔

غور فرمایئے کہ جب وہ ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اس درخت سے اس کی آواز آسکتی ہے تو پھر یہ کام محال کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مقرب بندوں پر تجلی فرمائے اور لوگوں کو ان میں سے ندا آئے حضرت مولوی معنوی فرماتے ہیں کہ ایک جن جس پر تسلط کرتا ہے وہ اسی کی زبان سے کلام کرتا ہے اور اسی کے اعضاء سے کام کرتا ہے تو کیا تمہارے نزدیک اللہ عزوجل ایسا نہیں کرسکتا یقینا ایسا ہوسکتا ہے کہ کلام اس کا ہو اور زبان ان مقرب بندوں کا اس وقت اللہ والے شجر موسی ہوتے ہیں اور متکلم وہ جس نے فرمایا اِنّی اَنا اللّٰہُ رَبُّ العٰلَمِیْنَ ۔اور تجلیات ربّانی ہی کی وجہ سے حضرت سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ نے سُبۡحَانِیۡ مَا اَعۡظَمُ شَانِیۡ۔ کہا تھا۔

لوگوں کے اعتراض پر فرمایا کہ یہ بات میں نہیں کہتا ہوں بلکہ وہ فرماتا ہے جسے فرمانا زیبا ہے جب سائلوں نے اس پر دلیل چاہی تو فرمایا تم سب ایک خنجر ہاتھ میں لیکر بیٹھ جاؤ اور جس وقت مجھے ایسا کہتے ہوئے سنو بے تأمل مجھ پر خنجر چلادو کہ ایسے قائل کی سزا قتل ہے سائلوں نے یہی کیا جب حضرت پر وہی حالت طاری ہوئی اور آپ کی زبان سے وہی کلمہ نکلا تو سبھوں نے فوراً خنجر مارا لیکن معاملہ یہ ہوا کہ جس نے جس جگہ پر خنجر مارا تھا خود اسی کو اسی جگہ پر لگا جب حضرت کو افاقہ ہوا تو ملاحظہ فرمایا کہ سب گھائل پڑے ہیں فرمایا میں نہ کہا تھا کہ وہ کہتا ہے جس کا کہنا بجا ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج ۲ ص ۱۹۷)

☆☆☆

تعویذ

وہ تعویذ جو آیات قرآنیہ یارب کائنات اور انبیاء واولیاء کے اسمائے مبارکہ یادیگراذکارودعوات پر مشمتل ہواس میں اصلاً کوئی حرج نہیں بلکہ وہ جائزو مستحسن ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم نظر بد کودور کرنے کے لئے دعاوتعویذ کرائیں (مسلم ج ۲ص ۲۲۳)

انھیں سے روایت ہے: حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مرض وصال میں معوذات پڑھکر اپنے اوپردم کیا کرتے جب آپ کی تکلیف زیادہ بڑھ گئ تومیں انہیں پڑھکر آپ پردم کیا کرتی اور بابرکت ہونے کے باعث آپ کے دست اقدس کوآپ کے جسم اطہر پرپھیرا کرتی۔(بخاری جلدج ۲ کتاب الطب)

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے گھر میں ایک لڑکی کو دیکھا جس کا چہرا زرد تھا تو فرمایا اسے دعاتعویذ کراؤ اسے نظر بدلگ گئی ہے۔(مسلم ج ۲ص ۲۲۳)

امام نسائی کے شاگرد رشید امام ابوبکر نقل فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہیکہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشادفرمایا:

اِذا کُنۡتَ بِوادٍتَخَافُ فِیۡھَا السّباعَ فقُل ۡ اَعُوۡذُ بِدا نِیَال وَبِالۡجُبَ مِنۡ شرّ الۡاَسدِ۔(کتاب عمل الیوم واللیلۃ)

جب توایسے جنگل میں جائے جہاں شیر کاخوف ہوتویوں کہوکہ میں پناہ لیتاہوں حضرت دانیال علیہ السلام اوران کے کنویں کے شیر کے شر سے۔

حضرت محدث کمال الدین دمیری نے بھی اس حدیث پاک کو نقل فرمائی لیکن حضرت دانیال علیہ السلام کو اس خصوصیت کے ساتھ وابستہ ہونے کی یہ وجہ بھی رقم فرمائی ہے۔

حضرت دانیال علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو بخت نصر بادشاہ کے خوف سے انھیں شیر کے پاس جنگل میں ڈال دیا گیا کیوں کہ نجومیوں نے بادشاہ کو خبر دی تھی کہ اس سال ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تیرا ملک تباہ و برباد کر دے گا اس وجہ سے وہ خبیث اس سال پیدا ہونے والے تمام بچوں کو قتل کر رہا تھا۔

جب آپ جنگل میں ڈال دیئے گئے تو شیر اور شیرنی آپ کے بدن مبارک کو چاٹتے رہے پھر جب جوانی کی عمر کو پہنچے تو بادشاہ کو کسی طرح آپ کی خبر معلوم ہوگئی تو اس نے دو بھوکے شیر کو ایک کنویں میں ڈال کر اوپر سے آپ کو رکھوا دیا شیر آپ کو دیکھتے ہی (پلاؤ کتے کی طرح) دُم ہلانے لگے۔

امام دمیری نے اس حدیث پاک کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کو بچپن اور جوانی میں شیروں سے آزمایا گیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی پناہ مانگنے کو بے قابو شیروں کے شر سے دفع کرنے والا نسخہ بنایا۔

معلوم ہوا کہ آیات قرآنی اور اسمائے باری کے علاوہ محبوبان خدا کے نام پاک کا تعویذ بھی جائز و مستحسن ہے اور اس پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے اس کا حکم دیا حضرت عبداللہ بن عباس نے اس حکم کو روایت فرمایا اور امام ابن السنی نے اس پر عمل کرنے کے لئے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں بیان فرمایا۔

علاوہ ازیں مواہب لدنیہ میں حضرت امام ابوبکر احمد بن علی سے روایت ہے کہ جب مجھے بخار آیا اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کی خبر پہنچی تو آپ نے یہ تعویذ رقم فرما کر میرے پاس بھیجا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَبِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَمُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا۔ اللہ کے نام سے اللہ اور محمد رسول اللہ کی برکت سے

اے آگ ٹھنڈی اور سلامت والی ہوجا۔

اور خود اسماعیل دہلوی کے دادا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر کرتے ہیں:

جو عورت لڑکا نہ جنتی ہو تو حمل کو تین مہینہ ہونے سے پہلے ہرن کی جھلی پر زعفران وگلاب سے اس آیت کو لکھنے کے بعد بِحَقِّ مَرْیَمَ وَعِیْسیٰ اِبْناً صالحاً طَوِیْلَ الْعُمْرِ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ۔ (القول الجمیل ص ۱۴۷)

یعنی مریم وعیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اولاد کے صدقے لمبی عمر والا نیک بیٹا عطا ہو۔ تو اب آیات قرآنیہ، اذکار خیر اور محبوبان خدا کے اسمائے مبارکہ والے تعویذوں کے جواز پر کیا کلام ہوسکتا ہے۔

البتہ جو تعویذ الفاظ شرکیہ وکفریہ یا ایسے الفاظ پر مشتمل ہو جن کے معانی معلوم نہ ہوں وہ ضرور ممنوع ہے۔

حدیث شریف میں ہے: حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ (اسلام لانے کے بعد) ہم نے سرکار دوجہاں سے ان منتروں کا حکم جاننا چاہا تو فرمایا کہ اپنے منتر مجھے سناؤ کیوں کہ ان میں حرج کی کوئی بات نہیں جب تک کہ ان میں شرک نہ ہو۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۲۴)

شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں وہ منتر جو کافروں کے کلام سے ہوں (جن میں دیوی دیوتاؤں کے نام ہوتے ہیں) یا جن کے معانی معلوم نہ ہوں وہ بُرے ہیں کہ شاید ان کے معانی کفر یا قریب بکفر یا مکروہ ہوں لیکن آیات قرآنی اور مشہور اذکار سے جھاڑ پھونک منع نہیں بلکہ سنت ہے۔

وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ علماء نے اس بات پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ آیات قرآنی وذکر الٰہی سے جھاڑ پھونک جائز ہے۔ لیکن سرچشمۂ ہدایت کے وہابی مؤلف نے مطلق تعویذ کو شرک لکھ کر اس شرعی حکم کی کھُلے عام مخالفت کی ہے۔

☆☆☆

بعد وفات ارواح مومنین کا دنیا میں آنا

وفات فرما جانے کے بعد مومنین کی روحوں کا دنیا میں آنا شریعت سے ثابت ہے اس سے انکار جہالت ونادانی اور ضد وہٹ دھرمی کے سوا کچھ بھی نہیں ،بعض علمائے محققین سے روایت ہے:

روحیں شب جمعہ چھٹی پاتیں اور پھیلتی ہیں پہلے اپنی قبروں پر پھر اپنے گھروں میں آتی ہیں (خزانۃ الروایات)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برأت آتی ہے تو اموات کی روحیں اپنے گھروں کے دروازے پر کھڑی ہو کر کہتی ہیں، ہے کوئی جو ہمیں یاد کرے، ہے کوئی جو ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی جو میری غربت واجنبیت کی یاد دلائے (ایضاً)

فتاویٰ امام نسفی میں ہے:

بے شک مسلمانوں کی روحیں ہر شب جمعہ کو اپنے گھر آتی ہیں اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقہ سے مہربانی کرو ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ (دستور القضاۃ)

معلوم ہوا کہ عام مؤمنین کی روحیں بعد وفات مخصوص اوقات میں دنیا میں آتی ہیں حتیٰ کہ اولیاء کرام کی ارواح تو بعد وفات آزاد ہوتی ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں جائیں ان پر کوئی روک نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

بے شک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قید خانہ ہے جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قید خانہ میں تھا اب آزاد کر دیا گیا تو زمین میں گشت کرنے لگا اور بافراغت چلنے پھرنے لگا (طبرانی، حاکم، حُلیہ)

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے:

جب حضرت سلمان فارسی اور عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما نے آپس میں ملاقات کی تو ایک صاحب نے دوسرے سے فرمایا اگر آپ مجھ سے پہلے انتقال کر جائیں تو مجھے خبر دیں کہ وہاں کیا پیش آیا دوسرے صاحب نے پوچھا کیا زندے اور مردے بھی آپس میں ملتے ہیں تو فرمایا ہاں مسلمانوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں اور انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔ (بیہقی)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رقمطراز ہیں:

مومنین یعنی اولیاء کرام کی روحیں زمین و آسمان اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں (تذکرۃ الموتیٰ)

غور فرمائیے کہ یہ وہی قاضی ثناء اللہ پانی پتی ہیں جن کے بارے میں اسماعیل دہلوی کے دادا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے مکتوب ۵۷ میں فضلیت وولایت مآب بروج شریعت ومنور طریقت وعزیز ترین موجودات ومصدر انوار وفیوض وبرکات جیسے القابات تحریر کئے ہیں ان کے بیان سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ مومنین کی روحیں بعد وفات دنیا میں جاتی ہیں۔

علاوہ ازیں یہ مسئلہ نہ عقائد کا ہے نہ حلال وحرام کا بلکہ فضائل کا ہے جس میں ایک دو سند بھی کافی ہوتی ہیں نہ کہ اس قدر کثیر ووافر بلکہ ضعیف حدیث بھی اس باب میں قابل قبول ہوتی ہے۔

اگر یہ حدیثیں نامقبول ہوتیں تو یہ محدثین انہیں ہرگز بیان نہ کئے ہوتے تو ان

محدثین کرام کا ان احادیث کریمہ کو لانا اس بات پر روشن دلیل ہے کہ بعد وفات مومنین کی روحیں دنیا میں آتی ہیں۔

لیکن سرچشمۂ ہدایت کے مؤلف نے حقیقت سے نظریں چُراتے ہوئے صاف لفظوں میں اس بات کا انکار کر کے اپنی جہالت کا اظہار کیا ہے۔ ذرا دیکھئے تو کہ اس وہابی مؤلف نے اپنے باطل نظریہ کی تائید میں ان آیات مقدسہ اور حدیث مکرم کو دلیل بنا کر اپنی جہالت کا کس طرح اظہار کیا ہے۔

حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدُھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنَ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَ مِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ (سورہ مؤمنون آیت ۱۰۰ / ۹۹)

یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ کماؤں اس میں جو چھوڑ آیا ہوں ہشت یہ تو ایک بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جس میں اُٹھائے جائینگے۔

یعنی کافر موت تک تو اپنے کفر و سرکشی خدا اور سول کی تکذیب اور مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کے انکار پر اصرار کرتا رہتا ہے لیکن جب موت آتی ہے اور جھنم میں اس کا جو مقام ہے وہ دیکھا یا جاتا ہے اور جنت کا مقام بھی دیکھا یا جاتا ہے جو اسے دیا جاتا اگر وہ ایمان لاتا تو حسرت وندامت کے ساتھ دنیا میں پلٹنے کی وہ خواہش کرتا ہے تا کہ اعمال نیک بجالا کر اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کر سکے تو رب دو جہاں نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ بات ہر گز ہونے والی نہیں اور اس حسرت وندامت سے انہیں کوئی فائدہ ملنے والا نہیں کیوں کہ یہاں تو ایک روک ہے جو دنیا کی طرف انہیں واپس ہونے سے مانع ہے اور وہ روک موت ہے۔

تو غور فرمائیے کہ معمولی عقل والا انسان بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ ان آیات مقدسہ میں انسان کو روح مع الجسم دنیا کی طرف پلٹنے اور عمل کے لئے اس میں سکونت

پذیر ہونے کی تردید فرمائی گئی ہے۔

ارواح کو سیر وسیاحت یا رشتہ داروں سے ملنے کے لئے دنیا میں آنے کی نفی نہیں فرمائی گئی ہے کیوں کہ ان میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بات مرقوم ہے کہ جب کفار مرنے کے بعد اپنے بُرے انجام کو دیکھتے ہیں تو حسرت وندامت کے ساتھ عرض گذار ہوتے ہیں کہ مولیٰ تو مجھے پھر دنیا کی طرف بھیج دے تا کہ نیک اعمال بجالاؤں اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرسکوں تو رب کائنات نے ان کی اس واپسی کی تردید فرمائی ہے۔

دوسری بات یہ کہ خود پلٹانے کا لفظ بتارہا ہے کفار روح مع الجسم دنیا میں جانے کی خواہش کرتے ہیں اس لئے کہ رجوع کہتے ہیں اپنی پہلی بھلی یا بُری عادت کی طرف لوٹ جانے کو، مصباح اللغات میں ہے راجع الرجل اپنی پہلی بھلی یا بُری عادت کی طرف لوٹ جانا۔ اور لوگ قبل موت روح مع الجسم ہی دنیا میں رہتے ہیں تو رب کائنات نے قیامت سے پہلے ان کو روح مع الجسم دنیا میں جانے کی تردید فرمادی لیکن مسلمانوں کی ارواح کے لئے موت دنیا میں جانے سے مانع نہیں ہے۔

اور بعد وفات قیامت سے پہلے بعض لوگوں کا جو زندہ ہونا ثابت ہے جیسے حضرت عیسی علیہ السلام نے کئی مردوں کو زندہ کیا اور یہ سب کے سب زندہ ہوکر دنیا میں آئے حضرت عُزیر علیہ السلام ایک سو سال کے بعد زندہ ہوکر دنیا میں تشریف لائے اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دونوں فرزندوں کو زندہ فرمایا۔

تو یہ واقعات ان آیات کریمہ سے ہرگز متصادم نہیں کیوں کہ ان آیات مقدسہ میں قانون الٰہی کا ذکر ہے جب کہ ان واقعات میں قدرت الٰیہ اور معجزات انبیاء کا اظہار ہے۔

اور اپنے باطل نظریہ کی تائید میں اس وہابی کی طرف سے پیش کی جانے والی حدیث پاک یہ ہے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَحَدٍ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ یُحِبُّ اَنْ یَرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا وَلَہٗ مَافِی الْاَرْضِ مِنْ شَیْئٍ

اِلَّا الشَّھِیْدُ یَتَمَنّٰی اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا فَیُقْتَلُ عَشَرَ مَرَّاتٍ لِمَا یَرٰی مِنَ الْکَرَامَۃِ (مشکوٰۃ ۳۳۰)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی بھی شخص یہ نہیں چاہے گا کہ وہ دنیا کی طرف پلٹ جائے اور دنیا کی ساری چیزیں اس کی ہوجائیں مگر شہید کہ وہ آرزو کرے گا کہ وہ دنیا کی طرف پلٹ جائے اور دس مرتبہ شہید کیا جائے کیوں کہ وہ احترام دیکھتا ہے۔

یعنی وہ سوچے گا کہ جب ایک مرتبہ شہید ہونے سے اتنی عزت ملی ہے تو پھر بار بار شہید ہونے سے اور بھی کتنی عزت ملے گی اس لئے وہ بار بار شہید ہونے کی خواہش کرے گا۔

اس حدیث پاک میں غور کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وہابی نے صرف لوگوں کو فریب میں ڈالنے کے لئے اس کو دلیل بنایا ہے کیوں کہ جب جنتی حضرات جنت میں داخل ہونے کے بعد وہاں رہائش پذیر ہوجائیں گے تو حدیث پاک میں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ کوئی بھی جنتی وہاں کی رہائش کو چھوڑ کر دنیاوی رہائش کو پسند نہ کرے گا اس لئے کہ وہاں کی نعمتوں کے سامنے دنیاوی نعمتوں کی کوئی حقیقت نہ ہوگی یہاں دنیاوی سیر وسیاحت کی نفی نہیں کی گئی ہے۔

دوسری بات یہ کہ مرنے کے بعد قیامت تک انبیاء کرام کے علاوہ تمام انسانوں کی روحیں جسم سے الگ رہتی ہیں تو روح کو قیامت تک دنیا میں آنے کا قول کیا گیا ہے کیوں کہ جنت میں تو مؤمنین کی روحیں جسم کے ساتھ رہیں گے۔

تیسری بات یہ کہ اگرچہ عام مؤمنین جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں واپس ہونے کو پسند نہ کریں گے مگر شہدائے کرام تو پسند کریں گے تو جناب اس حدیث پاک سے بھی آپ کی بات کہاں ثابت ہوئی۔ ع

خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے

☆☆☆

ایصال ثواب

یہ بات بالکل نا قابل انکار حقیقت ہے کہ ذکر خیر عمل خیر اور صدقات وخیرات کا ثواب مُردوں تک پہنچتا ہے اوران باتوں سے انہیں بڑا فائدہ ملتا ہے جیسا کہ ان احادیث مبارکہ کی صراحت اس پر دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے:

اِنَّ رَجُلاً قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ اَفَیَنْفَعُھَااِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْھَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ لِیْ مُخْرَفاً فَاُشْھِدُکَ اِنِّیْ قَدْ تَصَدَّقْتُ بِہٖ عَنْھَا۔ (ترمذی ۸۵)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول میری ماں کا انتقال ہو گیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو ان کو مفید ہوگا ارشاد ہوا ہاں اس شخص نے کہا کہ میرا ایک باغ ہے میں حضور کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس کو اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کیا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے:

اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّیْ اِفْتَلَتَتْ نَفْسَھَا وَاَظُنُّھَا لَوْتَکَلَّمَتْ لَتَصَدَّقَتْ فَھَلْ لَھَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْھَا قَالَ نَعَمْ (بخاری ۱۵۴، مسلم ص ۳۲۴)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا ہے اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ کلام کرتیں تو ضرور صدقہ کرتیں تو کیا ان کو ثواب ملے گا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں۔

اس حدیث پاک کے تحت علامہ نووی شرح مسلم ص ۳۲۴ میں فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مردہ کی طرف سے صدقہ دینا مردہ کو فائدہ بخش

ہے اور اس کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے۔

حضرت عائشہ سے ہی روایت ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِکَبْشٍ اَقْرَنَ یَطَأُفِی سَوَادٍ وَیَبْرُکُ فِیْ سَوَادٍ وَیَنْظُرُ فِیْ سَوَادٍ فَأُتِیَ بِہٖ لِیُضَحِّیَ بِہٖ قَالَ یَا عَائِشَۃُ ھَلُمِّی الْمِدْیَۃَ ثُمَّ قَالَ اِشْحَذِیْھَا بِحَجَرٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ اَخَذَھَا وَاَخَذَ الْکَبْشَ فَاَضْجَعَہٗ ثُمَّ ذَبَحَہٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰی بِہٖ۔ (مسلم ج ۲ کتاب الاضاحی ص ۱۵۶)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے لئے ایک بکرا سینگ والا لایا جائے جس کے دونوں پاؤں سیاہ ہوں پیٹ سیاہ ہو آنکھیں سیاہ ہوں (یعنی وہ بکرا سر سے پاؤں تک سیاہ ہو) تو ایسا بکرا لایا گیا ارشاد ہوا اے عائشہ چھری لاؤ اور اس کو پتھر پر تیز کرلو حضرت عائشہ نے ایسا ہی کیا پھر حضور نے چھری پکڑی اور اس بکرے کو لٹا کر ذبح کیا اور فرمایا بسم اللہ اے اللہ اس کو قبول فرما محمد اور امت محمد کی طرف سے پھر اس کی قربانی فرمائی۔

حنش بن عبد اللہ سبائی سے روایت ہے:

رَئَیْتُ عَلِیّاً یُضَحِّی بِکَبْشٍ فَقُلْتُ لَہٗ مَا ھٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِیْ اَنْ اُضَحِّی عَنْہُ فَانَا اُضَحِّیْ عَنْہُ۔ (ابوداؤد)

میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ وہ دو بکرے قربانی کئے میں نے کہا یہ کیا ہے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں تو میں ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے:

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا مَاتَ اَحَدُکُمْ فَلَا تَحْبِسُوْہُ وَاَسْرِعُوْا بِہٖ اِلٰی قَبْرِہٖ وَلِیُقْرَأَ عِنْدَ رَأْسِہٖ بِفَاتِحَۃِ الْبَقَرَۃِ وَعِنْدَ رِجْلَیْہِ بِخَاتِمَۃِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ (مشکوٰۃ ۱۴۹)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرجائے تو اسے مت روکو بلکہ اسے جلدی قبر تک لے جاؤ اور اس کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور پائنتی میں اس کی آخری آیتیں پڑھو۔

الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم ج ا ص ۱۶۷ میں ہے:

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِأَةَ اَلْفِ مَرَّةٍ وَجَعَلَ الثَّوَابَ لِلْمَيِّتِ غَفَرَ اللّٰهُ لِذَالِکَ لِلْمَيِّتِ وَاِنْ كَانَ مُوْجِبًا لِلْعُقُوْبَةِ۔

جو شخص لا الہ الا اللہ ایک لاکھ بار کہے اور اس کا ثواب مردے کو بخشے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس میت کو بخش دے گا اگرچہ عقوبت کا مستحق ہو۔

ایک حدیث دارقطنی سے بھی ملاحظہ ہو:

اَنَّ رَجُلًا سَالَهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَقَالَ لِیْ اَبَوَانِ اَبَرُّهُمَا حَالَ حَیَاتِهِمَا فَكَيْفَ لِیْ بِبِرِّ هِمَا بَعْدَ فَوْتِهِمَا فَقَالَ اِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْمَوْتِ اَنْ تُصَلِّیَ لَهُمَا مَعَ صَلٰوتِکَ وَاَنْ تَصُوْمَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِکَ۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا کہ میرے پاس والدین ہیں جن کے ساتھ میں ان کی حیات میں بھلائی کرتا ہوں تو ان کی وفات کے بعد ان کے ساتھ کس طرح بھلائی کروں گا ارشاد ہوا کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ نیکی کی صورت یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزے کے ساتھ ان دونوں کے لئے بھی روزہ رکھو۔

مذکورہ احادیث طیبہ کی ان باتوں پر خوب دلالت ہو رہی ہے کہ عمل خیر اور ذکر خیر کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے اور ان کو ان چیزوں سے فائدہ ملتا ہے لیکن پھر بھی اس وہابی مؤلف نے مُردوں کو فائدہ پہنچانے والے عمل کو صرف تین چیزوں صدقہ کرنے غلام یا لونڈی کو آزاد کرنے اور حج کرنے میں منحصر کر دیا ہے اور اسے یہ بھی شعور نہ ہوا کہ جب یہ تین چیزیں عمل خیر ہونے کی بنیاد پر میت کو نفع پہنچاتی ہیں تو پھر دیگر عمل خیر میں یہ خوبی

مفقود کیسے ہوئی جبکہ بہت سی احادیث طیبہ سے بھی یہ بات بہت واضح ہے کہ میت کو راحت وآرام اور فائدہ پہنچانے میں دیگر عمل خیر بھی بہت معین ومددگار ہوتے ہیں۔

اگر انہیں پھر بھی اطمینان نہ ملا ہو تو اس بات کے ثبوت میں وہ خود مولوی قاسم نانوتوی کی تحریر بھی ملاحظہ کرلیں جن کے تئیں وہ اپنے دل میں محبت کا گوشہ رکھتے ہیں۔

وہ تحذیر الناس ص ۳۸ پر لکھتے ہیں حضرت جُنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا آپ نے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا تو اس خیال سے کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے اپنے دل میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا مگر اس کو اطلاع نہ دی۔ بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے آپ نے پھر سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں تب آپ نے اس پر فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھے حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی۔

اور جناب دور کیوں جاتے ہیں خود آپ کے امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کے دادا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جن کو آپ بھی اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں ان کا تیجہ بھی دیگر عمل خیر کے ذریعے ہوا تھا۔ شاہ عبدالعزیز اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں فرماتے ہیں تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے اکیاسی ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہونگے اور کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں۔

حیرت ان باتوں پر بھی ہے کہ اس وہابی نے درختوں کی تر شاخوں کی تسبیحات سے بھی مردوں کو فائدہ پہنچنے سے انکار کیا ہے جب کہ صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں اس کے ثبوت میں حدیث موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِحَائِطٍ مِنْ حَیْطَانِ الْمَدِیْنَۃِ اَوِ

الْمَکَّۃِ فَسَمِعَ صَوْتَ اِنْسَانَیْنِ یُعَذَّبَانِ فِیْ قُبُوْرِھِمَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ ثُمَّ قَالَ بَلْ کَانَ اَحَدُھُمَا لَایَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِہٖ وَکَانَ الْاٰخِرُ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِیْدَۃٍ فَکَسَرَھَا کِسْرَتَیْنِ فَوَضَعَ عَلٰی کُلِّ قَبْرٍ مِنْھُمَا کِسْرَۃً فَقِیْلَ لَہٗ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ فَعَلْتَ ھٰذَا قَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَالَمْ تَیْبَسَا (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے باغوں میں سے کسی باغ سے گزرے تو آپ نے ایسے دو آدمیوں کی آواز سنیں جن پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا حضور نے فرمایا کہ ان دونوں پر کسی ایسے بڑے معاملہ میں عذاب نہیں ہو رہا ہے جس سے بچنا مشکل ہو بلکہ ان میں سے ایک آدمی تو اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا پھر آپ نے کھجور کی ایک شاخ منگوا کر اس کا دو ٹکڑا کیا اور ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا صحابہ نے عرض کیا حضور نے ایسا کس لئے کیا ہے تو فرمایا میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تا کہ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جب تک دونوں لکڑیاں خشک نہ ہوں۔

علاوہ ازیں اس وہابی نے جنازہ کے ساتھ تلاوت قرآن قبرستان میں قرآن پڑھنے اور سورۂ فاتحہ ویٰسین وغیرہ کی تلاوت کو بھی خرافات اور بے ہودہ باتیں کہی ہیں۔ جس سے اس کی بے راہ روی اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے قرآن حکیم کی بھی توہین کر ڈالی۔

اس وہابی نے قبرستان میں ذکر خیر کی نفی پر اس فرمان رسول کو دلیل بنا کر اپنی جہالت کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا

ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم شریف)

غور فرمائیے کہ اس نے اس حدیث پاک کا کیسا غلط مطلب نکالا ہے کہ جیسے قبرستان میں ذکر خیر نہیں ہوتا ویسے ہی اپنے گھر کو ذکر خیر سے خالی مت رکھو جب کہ صحیح مطلب تو یہ ہے کہ اپنے گھروں میں مردے دفن نہ کرو کہ یہ تو انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔

یا اپنے گھروں کو ذکر اللہ سے خالی نہ رکھو جیسے قبرستان خالی رہتا ہے کہ مردے بہ ظاہر ذکر اللہ نہیں کرتے اور پورا قبرستان سُنسان معلوم ہوتا ہے ورنہ مومن مردے ذکر اللہ کرتے ہیں یہ اور بات ہے کہ ہم نہیں سُنتے۔

اس حدیث پاک کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی دوسرا انسان قبرستان جا کر ذکر اللہ نہ کرے۔

ایسا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردے کو سلام کرنے کا حکم دیا ہے اور سلام ذکر خیر نہیں تو کیا ہے۔

اسی طرح بدائع الصنائع میں یہ حدیث مرقوم ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کے جنازے میں شرکت فرمائی تو فرمایا اے علی مردہ کو قبلہ کی جانب متوجہ کرو اور سب لوگ بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھو۔

اور یہ بھی ذکر خیر نہیں تو کیا ہے بسم اللہ تو قرآن حکیم کی آیت بھی ہے

وہابی مؤلف نے مردوں کو دوسروں کے عمل خیر کا ثواب نہ پہنچنے پر اس آیت مبارکہ کو دلیل بنائی ہے۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی۔ (سورۂ نجم ایت ۳۹)

اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔

تو ان کا اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اس آیت کریمہ کو پیش کرنا ہرگز صحیح نہیں کیوں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس آیت مبارکہ سے منسوخ ہے۔

وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیتھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ۔ (سورہ طور آیت ۲۱)

اوران کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی (تفسیر جمل، خازن)

یعنی متقی ماں باپ کی اولاد اگر باایمان دنیا سے گئی تو جنت میں وہ اپنے متقی والدین کے ساتھ ملادی جائیگی اگر چہ ان کے اعمال زیادہ اچھے نہ ہوں اور ماں باپ کے درجات بلند ہوں جب بھی ان کی خوشی کے لئے ان کی اولاد ان کے ساتھ ملادی جائیگی اور اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے اس اولاد کو بھی وہ درجہ عطا فرمادے گا۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس ہی فرماتے ہیں۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی مؤمن کی اولاد کو بھی جنت میں اس کا درجہ عطا فرمائے گا اگر چہ وہ عمل کے ذریعے اس درجے پر رہنے کا حقدار نہ ہوتا کہ انہیں اس مقام پر فائز دیکھکر اس نیک بندے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (قرطبی)

معلوم ہوا کہ دوسرں کے اعمال بھی بندوں کے لئے فائدہ مند ہیں جبھی تو ماں باپ کے اعمال صالحہ سے اولاد کو بھی فائدہ ملے گا۔

علاوہ ازیں اس وہابی نے بھی خود اقرار کیا ہے کہ میت کی طرف سے اگر صدقہ کیا جائے غلام یا لونڈی کو آزاد کیا جائے یا حج کیا جائے تو اس کو فائدہ پہنچے گا کہ یہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے تو پھر یہاں بھی اسی آیت کریمہ کو پیش کر کے مُردوں کو ان سب چیزوں کے ثواب پہنچنے کی نفی وہ کیوں نہیں کرتا۔

یا اس آیت مقدسہ کے ذریعے بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کی گئی ہے اسی لئے اس میں کسب وسعی کا ذکر ہے نہ کہ ہبہ کے ثواب کا۔

یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھ دے تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی ہاں نماز کا ثواب بخشا جاسکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ صالح بن درھم سے روایت ہے کہ ہم حج کرنے جارہے تھے کہ ایک شخص ملا تو اس نے کہا

کیا تم سے قریب کوئی بستی ہے جسے اُبُلّہ کہا جاتا ہے ہم بولے ہاں تو اس نے کہا تم لوگوں میں سے کون شخص ہے جو اس بات کی ضمانت لے کہ وہ مسجد عشّار (جو کہ ابلہ کی مشہور اور متبرک مسجد ہے) میں میرے لئے دو چار رکعتیں پڑھ دے اور کہے کہ یہ نماز ابوھریرہ کے لئے ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الملاحم فصل دوم)

یہ بدعقیدے تیجہ، دسواں، چالیسواں، اور برسی کی بھی شدت سے مخالفت کرتے ہیں جب کہ خزانۃ الروایات کے حاشیہ میں ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تیسرے، ساتویں، اور چالیسویں دن چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں مشروع اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پسندیدہ اعمال ہیں۔ بلکہ خود اسماعیل دہلوی کے دادا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تیجہ بھی منایا گیا جس کی تفصیل گذر چکی۔





مُردوں کا سننا

بہت سی آیات مبارکہ واحادیث طیبہ سے اس بات پر صراحت کے ساتھ روشنی پڑتی ہے کہ انسان مرنے کے بعد بھی ہماری باتوں کو سنتا سمجھتا ہے اور ہمیں دیکھتا پہچانتا ہے۔

حضرت شعیب وصالح علیہما السلام نے اپنی عذاب یافتہ قوم کی لاشوں کے قریب کھڑے ہوکر فرمایا تھا، یَاقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ۔ (سورہ انفال آیت ۷۹۔۹۳)

اے میری قوم بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچادیا۔

تو دیکھئے اگر مردے نہیں سُنتے تو پھر یہ انبیاء کرام اپنی نافرمان اور عذاب یافتہ قوم کی لاشوں کے قریب کھڑے ہوکر ایسا کیوں فرماتے۔

حدیث شریف میں ہے:

جب جنازہ رکھا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اُٹھاتے ہیں تو اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے آگے بڑھاؤ اور اگر بُرا ہوتا ہے تو کہتا ہے ہائے خرابی تم کہاں لئے جارہے ہو اس آواز کو آدمی کے سوا ہر چیز سُنتی ہے اگر آدمی اس کی آواز سن لے تو بے ہوش ہوجائے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

معلوم ہوا کہ مردوں میں فہم وادراک بھی ہے اور وہ کلام بھی کرتے ہیں تو ان کے لئے فہم وادراک اور کلام ثابت ہونے سے باتوں کو سننا بھی ثابت ہوگیا۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

میں اس مکان میں جہاں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مزار ہے بغیر ستر

وحجاب کا لحاظ کئے چلی جاتی اور دل میں کہتی وہاں کون ہیں یہی میرے شوہر اور باپ ہی تو ہیں پھر جب عمر دفن ہوئے تو خدا کی قسم میں سر سے پاؤں تک بدن چھپائے بغیر نہ گئی عمر سے شرم کی وجہ سے۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث کو حاکم نے بھی مستدرک میں بیان کیا اور فرمایا کہ بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

کہئے جناب اگر صاحب مزار کو کچھ نظر نہیں آتا ہے تو اس شرم کا کیا مطلب ہے۔

حضرت عمرو بن عاص نے اپنے فرزند حضرت عبداللہ سے فرمایا تھا جب مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر تھم تھم کر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس حاصل کروں اور جان لوں کہ اپنے رب کے رسولوں (فرشتوں) کا کیا جواب دوں گا۔ (صحیح مسلم شریف)

تو اگر انسان مرنے کے بعد نہ سنتا سمجھتا ہے اور نہ کلام کرتا ہے تو پھر اس حدیث پاک میں اُنس حاصل ہونے اور جواب جان لینے کا کیا مطلب ہوگا۔ ارشاد نبوی ہے۔

جب آدمی کسی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے دنیا میں اس کی شناسائی تھی پھر وہ اس کو سلام کرتا ہے تو میت اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور اسے پہچانتا بھی ہے اور جب وہ کسی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے جان پہچان نہ تھی پھر وہ سلام کرتا ہے تو میت اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (بیہقی)

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے اور سلام کرتا ہے تو اگر وہ دنیا میں اسے پہچانتا تھا تو اب بھی پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے (کتاب الاستذ کار والتمہید)

امام سیوطی نے شرح الصدور میں اور امام زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا ہے کہ امام ابومحمد عبدالحق فرماتے ہیں جو کہ اجلہ علمائے حدیث میں سے ہیں کہ یہ حدیث

پاک صحیح ہے اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں فرمایا ہے کہ امام ابوعمر اور علامہ سمہودی نے اسے صحیح کہا ہے۔

حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے۔حضرت ابوزرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا راستہ مقابر پر ہے (یعنی قبرستان کے قریب سے ہے) تو کیا کوئی ایسا کلام ہے کہ جب میں ان پر گزروں تو کہا کروں فرمایا یوں کہہ اے قبر والے تم میں سے جو اہل اسلام وایمان ہوں ان پر سلام ہو تم ہمارے آگے ہو اور ہم تمہارے پیچھے اور ان شاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں حضرت ابوزرین نے عرض کیا یارسول اللہ کیا مردے سُنتے ہیں فرمایا سُنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔ (امام عقیلی)

امام جلال الدین سیوطی اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں کہ مُردے ایسا جواب نہیں دیتے جو زندہ سُن سکیں ورنہ وہ ایسا جواب تو دیتے ہیں جو ہمارے سُننے میں نہیں آتا۔

یہ عمومی حالتوں کا بیان ہے ورنہ کبھی کبھی مُردوں سے سلام وکلام سُنا بھی گیا ہے۔ ہاشم بن محمد عمری فرماتے ہیں:

میرے والدگرامی مجھے مدینہ شریف سے قبور احد کی زیارت کو لے گئے وہ جمعہ کا دن تھا صبح ہوچکی تھی لیکن ابھی تک آفتاب نہیں نکلا تھا میں اپنے والدگرامی کے پیچھے تھا جب ہملوگ مقابر کے پاس پہنچے تو انھوں نے سلام عَلَیکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ کہا اس پر جواب ملا وعلیک السلام یا اباعبداللہ والدی گرامی نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور پوچھا اے میرے بیٹے کیا تو نے جواب دیا ہے میں نے کہا نہیں انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی داہنی طرف کرلیا اور پھر وہی کہا دوبارہ بھی ویسا ہی جواب ملا یہاں تک کہ تیسری بار کہا پھر وہی جواب ملا تو میرے والدگرامی اللہ تعالی

کے حضور سجدۂ شکر میں گر پڑے۔ (بیہقی)

بے شک مُردہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور لوگ اسے دفن کر کے پلٹتے ہیں تو بے شک وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے مقصود یہ ہے کہ اہل قبور صرف سلام ہی نہیں سُنتے بلکہ وہ دیگر کلام واصوات بھی سُنتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں کفار بدر کی قتل گاہیں دیکھاتے جاتے اور فرماتے یہاں فلاں کافر قتل ہوگا اور یہاں فلاں حضور نے جس کافر کے قتل کا جہاں نشان لگایا وہیں اس کی لاش گری پھر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ان تمام کافروں کی لاشوں کو ایک گڑھے میں بھر دیا گیا اس کے بعد آپ وہاں تشریف لائے اور ایک ایک کافر کا نام ان کے باپوں کے ساتھ لیکر پُکارا اور فرمایا کیا تم نے بھی وہ سچا وعدہ پالیا جو اللہ ورسول نے تمہیں دیا تھا اور میں نے تو پالیا جو حق وعدہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ان جسموں سے کیوں کلام کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں فرمایا جو میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے زیادہ نہیں سُنتے مگر انہیں یہ طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔ (صحیح مسلم)

تو دیکھئے ان احادیث طیبہ سے یہ حقیقت خوب آشکارا ہوگئی کہ انسان مرنے کے بعد بھی کلام کو سُنتے سمجھتے ہیں لوگوں کے کلام کا جواب دیتے اور ان کو پہچانتے ہیں۔ تو سر چشمۂ ہدایت کے وہابی مؤلف کا اس حقیقت سے انکار کرنا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے انھوں نے ان احادیث مبارکہ میں طرح طرح کی بے جا تاویل کر کے اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی بھی کوشش کی ہے جس سے ان کی حماقت اور بھی ظاہر ہوجاتی ہے مثال کے طور پر جس حدیث پاک میں ہے کہ مُردوں کو دفنانے کے بعد جب لوگ واپس ہوتے ہیں تو مُردے ان کی جوتیوں کی آواز سُنتے ہیں اس حدیث پاک کے

بارے میں کہتے ہیں مُردوں کا سننا ہر وقت نہیں رہتا بلکہ صرف سوال نکیرین کے وقت ہوتا ہے تا کہ ان کی حسرت وندامت کو بڑھایا جائے۔

اور حدیث بدر کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا معجزہ تھا کہ کفار بدر نے آپ کی باتوں کو سُن لیا۔

تو ان احادیث مبارکہ میں اس طرح کی تخصیص ہر گز قابل قبول نہیں کیوں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مطلق ارشاد فرمایا ہے اس میں اس طرح کی کوئی قید نہیں لگائی ہے اور تخصیص پر یہاں کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے۔قرآن وحدیث میں اگر ایسے قیودات کی گُنجائش ہوجائے تو پھر کوئی بھی نص ایسی تخصیصات سے خالی نہیں ہوگی۔

اور حدیث بدر کے بارے میں وہابی مؤلف کا یہ کہنا بھی مردود ہے کہ فرمان رسول کفار بدر سنتے تو ہیں مگر انہیں طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں یہ مردوں کی بے بسی ظاہر کرنے کے لئے جو جواب تک نہ دے سکتا وہ دوسرے کام کیسے کرسکتا ہے۔

کیوں کہ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ مردے ایسا جواب نہیں دیتے جو زندہ سُن لیں جیسا کہ کئی احادیث کریمہ میں اس بات کی صراحت گُذر چکی ہے کہ مردے سلام سُنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

اور حضرت ابوزرین والی حدیث کے بارے میں ان کا یہ کہنا بھی باطل ہے کہ ہمارے مردوں کو سلام کرنا اور سلاموں کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ دعا ہے جسے اللہ تعالیٰ مردوں تک پہنچاتا ہے اور وہ اسے خود سے نہیں سُنتے۔

کیوں کہ کوئی بھی ایسا سلام نہیں جو دعا نہ ہو اور کوئی شخص کسی بھی بات کو اسی وقت سُنتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو وہاں تک پہنچاوے اور سُننے کی طاقت مرحمت فرمادے۔

تو اللہ تعالیٰ اور شخصوں کی طرح مردوں کو بھی سلام سُننے اور جواب دینے کی طاقت عطا فرماتا ہے یہ اور بات ہے کہ مردے کا جواب ہم سُن نہیں پاتے۔

اس وہابی نے اس سلام کو دعا ہونے اور عام سلام کی طرح نہ ہونے کی یہ وجہ بھی

لکھی ہے کہ اگر یہ عام سلام کی طرح ہوتا تو مردہ اس کا جواب بھی دیتا حالانکہ سلام کرنا اور جواب دینا دونوں نیک عمل ہیں جبکہ حدیث شریف میں آیا کہ موت سے انسان کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔

تو اس اعتراض کی بھی کوئی حیثیت نہیں کیوں کہ موت سے اگرچہ عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے لیکن جب حضور نے خود اپنے فرمان سے سلام کے جواب کو مستثنیٰ فرمادیا ہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں اس وہابی مؤلف نے بھولی بھالی عوام کو پھنسانے کے لئے مکروفریب کے ایسے ایسے جال تیار کر رکھے ہیں کہ انسان حیران رہ جائے۔

دیکھئے اس نے اپنے اقوال باطلہ کے ثبوت میں سورۂ اعراف آیت ۱۹۵ سورۂ مومنون آیت ۱۱۷ سورہ نمل آیت ۸۰ سورہ روم آیت ۵۲ سورہ فاطر آیت ۲۲ سورہ زمر آیت ۳ سورۂ احقاف آیت ۱۱ کو پیش کیا ہے جبکہ ان آیتوں کو کسی بھی طرح یہاں لانا درست نہیں کیوں کہ سورۂ اعراف، سورۂ مومنون، سورۂ زمر اور سورۂ احقاف کی یہ آیتیں بتوں کے بارے میں نازل کی گئی ہیں کہ جب وہ اس قدر کمتر وحقیر اور بے بس ہیں تو پھر وہ عبادت کے لائق کیسے ہوسکتے ہیں۔

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو اپنا معبود بنائے اور اپنی حاجتوں اور التجاؤں میں اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے تو ایسوں کا پورا فیصلہ اور اصل سزا اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے جو قیامت میں کھلے گا اور دنیا وقبر کی سزا اس کے علاوہ ہے۔

سورۂ نمل، سورۂ روم، سورۂ فاطر کی آیتوں میں مردوں سے دل کے مردے یعنی کفار مراد ہیں جس پر سورۂ نمل وروم میں بعد والی آیتیں دلیل ہیں کہ ان میں فرمایا گیا ہے کہ آپ ایمان والوں کو ہی سناتے ہیں اور وہی سنتے ہیں کیوں کہ جن کا دل مردہ ہوچکا ہے اور کسی بھی طرح ان سے قبول حق کی توقع نہیں رہی جب وہ قبول حق نہیں کرتے تو گویا آپ انھیں سناتے ہی نہیں۔

سماع سے قبولیت مراد لینا عرف عام کے مطابق بھی ہے دیکھئے ایک باپ اپنے

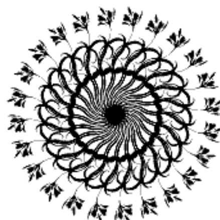
نافرمان بیٹے کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ میری نہیں سنتا تو کسی بھی عقلمند کے نزدیک اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میری آواز اس کے کان میں نہیں جاتی بلکہ اس کا صاف مفہوم یہی ہوتا ہے کہ وہ سنتا تو ہے مگر مانتا نہیں یا آیت کریمہ انک لاتسمع الموتی آیت مبارکہ انّک لاتھدی من اَحْبَبْتَ کی طرح ہے۔

یعنی جس طرح لوگوں کا ہدایت پانا آپ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے ہے ویسے اہل قبور کا سننا بھی آپ کی طرف سے نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جیسا کہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ یہ آیت مبارکہ اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ کے قبیل سے ہے۔

اورسورۂ فاطر کی اس آیت میں قبر والوں سے مراد کفار ہیں کفار کو قبر والوں سے تشبیہ دینے کے لئے انھیں قبر والا کہا گیا۔

اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح مردے سنی ہوئی باتوں سے نفع نہیں اُٹھا سکتے اور وہ پند پذیر نہیں ہوتے اسی طرح بدانجام کفار کا بھی یہی حال ہے کہ وہ ہدایت ونصیحت سے منتفع نہیں ہوتے۔ (قرطبی)





حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ

یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ وہابی صرف ظاہری اعتبار سے مسلمان کہلاتے ہیں ورنہ ان کے دلوں میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عداوت بہت زیادہ ہے جس کا بخوبی اندازہ ان باتوں سے بھی ہوجاتا ہے کہ اس وہابی مؤلف نے عام مردوں کو بے حس مانتے ہوئے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات مبارکہ کا بھی انکار کردیا ہے۔ وہ رقمطراز ہے:

اللہ کے رسول کے انتقال کے بعد یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کی باتیں سنیں اور ان کا جواب دیں اگر دنیا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے انتقال کے بعد اس سے آپ کا تعلق ممکن ہوتا تو سب سے پہلے ابوبکر صدیق اور دوسرے صحابہ کرام آپ سے مشورہ کرتے۔ (سرچشمۂ ہدایت ص ۳۱)

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات مبارکہ کی نفی کرتے ہوئے آگے لکھتا ہے سب سے پہلی بات یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسم مبارک انتقال کے بعد تیئیس گھنٹے تک قبر سے باہر دنیا میں موجود تھا اس دوران مسجد نبوی میں بھی اور دنیا کے دوسرے علاقہ میں بھی جہاں مسلمان موجود تھے۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نماز اور عام حالات میں درود وسلام پڑھ رہے تھے لیکن کسی صحابہ نے ان تیئیس گھنٹوں میں ایک دفعہ بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سلام کا جواب دیتے ہوئے نہیں سنا (ایضاً ص ۳۴)

ذرا اس وہابی کی حماقت وجہالت اور ذہنی فساد کا اندازہ تو کیجئے کہ اس نے کیسے بے تکے سوالات کر ڈالے بالکل سچ کہا گیا ہے۔ خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے۔ دیکھئے یہ بالکل صریح بات ہے کہ زندہ ہونے کے لئے دنیاوی لوگوں سے بات چیت کرنا

ان کو مشورہ دینا یا دنیاوی لوگوں کا ان کی طرف سے اپنے سلاموں کا جواب سننا ضروری نہیں۔

اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تمام سلاموں کے جوابات ہم سننے لگیں یا حضور ہم سے بات چیت کرنے لگیں اور تمام امور میں ہم کو مشورہ دینے لگیں تو پھر دنیا وآخرت میں فرق ہی کہاں رہ جائیگا۔

یہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے غلاموں پر کرم فرما دیتے ہیں کہ بسا اوقات اس طرح کے واقعات رونما ہوجاتے ہیں۔ اب حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات مبارکہ کے ثبوت میں چند احادیث مبارکہ بھی ملاحظہ کر لیجئے تاکہ سیدھے سادے مسلمان اُن کے دام فریب میں آنے سے بچ جائیں۔

حضرت ابو درداء سے روایت ہے:

رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیوں کہ یہ حاضری کا دن ہے اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جب بھی کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہوجائے حضرت ابو درداء فرماتے ہیں میں نے عرض کیا آپ کو دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی تو حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے تو اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔ (ابن ماجہ ص ۱۱۵ مشکوٰۃ ۱۲۱)

یعنی جمعہ کے دن رحمت وبرکت کے فرشتے اُترتے ہیں جو مسلمانوں کے گھروں اور ان کی مجلسوں میں پہنچتے ہیں تاکہ وہ ان کے ساتھ ذکر میں مشغول ہوں اور قیامت کے دن ان کے ایمان وتقویٰ کی گواہی دیں جب تم درود پڑھو گے تو وہ اس کے بھی گواہ ہوجائیں گے اور تم جتنی بار مجھ پر درود پڑھو گے درود پہنچانے والے فرشتے ہر بار میری خدمت میں درود پہنچاتے رہیں گے۔

تو یہ حدیث پاک بڑی صراحت کے ساتھ دلالت کررہی ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم زندہ ہیں اور آپ کی حیات ظاہری وبعد وفات مبارکہ میں کوئی فرق نہیں کہ آپ نے فرمایا تمہارا درود

جیسے آج میری خدمت میں پیش ہوتا ہے ویسے ہی بعد وفات بھی پیش ہوتے رہیں گے۔

اس حدیث پاک کے تحت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد اول میں رقمطراز ہیں۔

انبیائے کرام زندہ ہیں ان کی زندگی کو سبھی لوگ مانتے آئے ہیں کسی کو اس میں اختلاف نہیں رہا ان کی زندگی جسمانی، حقیقی، دنیاوی ہے شہیدوں کی طرح صرف معنوی وروحانی نہیں ہے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضور سید المرسلین ﷺ کی حیات مبارکہ کا مسئلہ گیارہویں صدی ہجری تک متفق علیہ تھا اس بارے میں سب کا یہی نظریہ تھا کہ انبیائے کرام بعد وفات بھی زندہ ہوتے ہیں اور اسی حدیث پاک کے تحت مرقات میں ہے۔

اس کی اسناد نہایت صحیح اور قوی ہے اور بہت سی اسنادوں کے ساتھ مختلف الفاظ میں منقول ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ جس حجرۂ مبارکہ میں حضور سید المرسلین ﷺ کی قبر انور ہے میں وہاں یونہی ننگے سر آتی جاتی تھی اور کہتی تھی کہ ایک قبر میرے شوہر (رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ہے اور دوسری قبر میرے باپ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی ہے پھر جب اس میں حضرت عمر دفنائے گئے تو اس کے بعد سے میں جب بھی اس میں آتی ہوں تو عمر سے حیا کی وجہ سے کپڑا لپیٹ کے آتی ہوں۔ (مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

اس حدیث پاک سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ زیارت قبور بُری چیز نہیں ہے ورنہ حضرت عائشہ زیارت قبور کے لئے ہرگز نہ جاتیں۔

وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ انبیائے کرام واولیائے عظام زندہ ہوتے ہیں ورنہ سرکار دوجہاں ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے بے حجاب اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دفنائے جانے کے بعد وہاں حجاب کے ساتھ جانے کا اور کیا مطلب ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

زیارت قبور

وہابی بغیر کسی مستحکم دلیل کے زیارت قبور کی بھی بڑی سختی سے مخالفت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس وہابی مؤلف نے اپنے باطل نظریات کی تائید میں احادیث مبارکہ کی غلط تشریحات وتوضیحات کی ہیں۔ وہ ایک حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہے۔

ابوداؤداور مسند احمد میں حضرت ابوھریرہ سے مروی ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (ان میں نوافل پڑھا کرو) اور میری قبر پر میلہ نہ کرو (نہ صلوۃ وسلام کے لئے نہ عرس وغیرہ کے لئے) اور مجھ پر درود پڑھا کرو کیوں کے تمہارا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ (قبر کے قریب یا دور) تم جہاں کہیں بھی ہو۔

ذرا اس وہابی کی خیانت تو دیکھئے کہ اس نے میلہ کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے جبکہ اس حدیث پاک میں میلہ کہیں نہیں ہے۔ حدیث شریف کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔

حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اپنے گھروں کو قبور نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود شریف پڑھا کرو کیوں کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا رہتا ہے تم جہاں کہیں بھی رہو۔ (مشکوۃ ص ۸۶)

یعنی اپنے گھروں میں مردے نہ دفناؤ بلکہ باہر جنگل میں دفناؤ اپنے گھر میں دفن ہونا حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔ ہر نبی اسی مقام پر دفنائے گئے جہاں ان کا وصال ہوا۔ یا قبروں کی طرح اپنے گھروں کو اللہ کے ذکر سے خالی مت رکھو بلکہ فرائض مسجدوں میں اور نوافل گھروں میں ادا کرو۔

لوگ عید کے دن لہوولعب اور کھیل وکود کے لئے میلوں میں جایا کرتے تھے

تو فرمایا گیا تم اسی طرح میرے مزار پر بے ادبی سے نہ آیا کرو بلکہ ادب سے حاضری دیا کرو کہ زیارت قبور کا یہی تقاضہ ہے یا جیسے تم سال میں صرف دوبار عیدگاہ جاتے ہو ویسے یہاں نہ آیا کرو بلکہ یہاں اکثر حاضری دیا کرو۔ (مرقات وغیرہ)

دوسری بات یہ کہ زیارت قبور اگر بُری ہوتی تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ اس کا حکم دیئے ہوتے نہ اس پر عمل کئے ہوتے اور نہ اولیائے کرام ہی اس کو اپنا معمول بنائے ہوتے جبکہ شریعت اسلامیہ میں اس عمل کو بہت پسند کیا گیا ہے۔

فرمان نبوی ہے:

میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا (لیکن اب میں تم کو اجازت دیتا ہوں) تم ان کی زیارت کرو۔ (مسلم)

میں نے تم لوگوں کو قبروں کی زیارت سے روکا تھا تو اب تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ان کی زیارت کرو اس لئے کہ قبروں کی زیارت کرنا دنیا سے بیزار کرتا ہے اور آخرت کی یاد دلاتا ہے۔ (شرح الصدور)

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابتداء اسلام میں زیارت قبور سے منع فرمایا تھا کہ کہیں لوگ بت پرستی سے نکل کر قبر پرستی میں مبتلا نہ ہو جائیں پھر جب اسلام لوگوں کے دلوں میں خوب راسخ ہو گیا اور وہ قوانین اسلام سے اچھی طرح واقف ہو گئے تو بہت سے فائدوں کے لئے اس کی اجازت دے دی گئی۔

اور حیات النّبی کی بحث میں یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے روضۂ اطہر میں جایا کرتی تھیں۔

☆☆☆

علم غیب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رب کائنات نے اپنے حبیب مکرم دانائے غیوب صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ما کان و ما یکون یعنی مخلوق کی پیدائش سے قیامت تک کے تمام علوم عطا فرما دیئے جس پر قرآن حکیم اور احادیث طیبہ بڑی صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْئٍ (سورہ نحل آیت ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَ لٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْئٍ۔ (سورہ یوسف آیت ۱۱۱)

یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے اگلے کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔

وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ (سورہ انعام آیت ۵۹)

اور نہ کوئی تر اور نہ خشک مگر جو ایک روشن کتاب میں لکھا ہے۔

تو جب قرآن حکیم میں ہر چیز کا بیان موجود ہے اور رب کائنات نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن حکیم کا علم عطا فرمایا کہ ارشاد خداوندی ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ (سورہ رحمٰن آیت ۱)

رحمٰن نے (اپنے محبوب) کو قرآن سکھایا۔

تو یقینا حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جمیع ما کان و ما یکون کے عالم ہیں اور یہ علم اس وقت مکمل ہوا جب نزول قرآن کی تکمیل ہوئی۔

اور حدیث شریف میں حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے:

نبی کریم ﷺ ایک دن ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو آپ نے ابتدا ہی سے مخلوق کی پیدائش کا ذکر فرمانا شروع کیا یہاں تک کہ جنتی اپنے مقام پر پہنچ گیا اور دوزخی اپنے مقام پر جس نے اسے یاد رکھا وہ یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ (بخاری ج ا باب بدء الخلق)

اس حدیث پاک کے تحت حاشیہ میں امام طیبی کا یہ قول منقول ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نے ساری مخلوق کے سارے حالات صحابہ کو بتا دیئے۔ اور مسلم شریف میں اس حدیث پاک کے اندر اتنا اور اضافہ ہے کہ:

حضور نے ہم کو ان تمام واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک ہونے والے ہیں پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ عالم ہے۔ (مشکوٰۃ باب المعجزات)

حضرت ابوزید سے روایت ہے:

ایک دن رسول دوجہاں ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوکر بیان فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا تو آپ نے منبر سے اتر کر ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی نماز کے بعد پھر منبر پر رونق افروز ہوکر بیان فرمایا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا تو آپ نے پھر منبر سے اتر کر ہمیں عصر کی نماز پڑھائی نماز کے بعد پھر منبر پر رونق افروز ہوکر آپ نے بیان فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے آپ نے سب کچھ بتا دیا تو ہم میں جس نے زیادہ یاد رکھا وہ زیادہ بڑا عالم ہے۔ (مسلم کتاب الفتن)

حضرت عبدالرحمن بن عائش سے روایت ہے:

سرکار علیہ السلام نے فرمایا جب میں نے اپنے رب کو اچھی صورت

میں دیکھا تو اس نے اپنا دست قدرت میرے سینہ پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل میں پائی تو میں نے زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو جان لیا۔(مشکٰوۃ باب المساجد)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے:

ایک دن سورج ڈھل جانے کے بعد حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی نماز کے بعد آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو قیامت اور ان بڑے بڑے امور کا ذکر فرمایا جو اس سے پہلے ہیں (یعنی جو ہو چکے اور جو قیامت تک ہونے والے ہیں) اس کے بعد ارشاد فرمایا اگر کوئی مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے تو پوچھ لے خدا کی قسم تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرو گے میں اسے بتادوں گا جب تک میں اس مقام پر ہوں۔

راوی حدیث حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ کے اس فرمان پر لوگ زار وقطار رونے لگے اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بار بار فرماتے رہے کہ مجھ سے جو پوچھ لو، لوگوں کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ کہیں حضور کے غضب کی وجہ سے ہم پر عذاب نازل نہ ہو جائے جیسا کہ ایمان نہ لانے کی وجہ سے اگلی امتوں پر نازل ہوا تھا اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو غضب فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو معلوم ہوا تھا کہ منافقین کا خیال ہے کہ وہ آپ سے کچھ ایسے سوالات کریں گے جن کے جواب سے آپ عاجز رہ جائیں اس پر آپ غضب ناک ہو گئے پھر حضرت عمر نے مؤدبانہ عرض کیا یا رسول اللہ ہم ہرگز حضور کو تکلیف پہنچانے والوں میں سے نہیں ہیں بلکہ ہم تو اللہ تعالیٰ ورسول اللہ علیہ السلام اور اسلام کی محبت میں فدا ہونے والے ہیں۔ تب حضور کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔(حاشیۂ بخاری)

بعض روایت میں یہ ہے کہ ایک دن آقائے دو جہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اولاد پیدائش سے پہلے ہی دیکھادی گئی تھی اسی طرح مجھے بھی میری امت دیکھائی گئی تو میں نے جان لیا کہ کون مجھ پر ایمان لائیگا اور کون نہیں لائیگا۔

جب منافقین کو سرکار کے اس فرمان کا علم ہوا تو انھوں نے استہزاء کے طور پر کہا کہ محمد (ﷺ) کہتے ہیں کہ مجھے اپنی امت کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم ہوگیا تھا کہ کون مجھ پر ایمان لائیگا اور کون نہیں لائیگا لیکن وہ ہمیں نہیں پہچان پا رہے ہیں کہ ہم مومن ہیں کہ نہیں اس پر حضور سید المرسلین ﷺ غضب ناک ہو گئے تھے (بغوی)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ:

حضور کے ارشاد پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میرا ٹھکانا کہاں ہوگا تو فرمایا دوزخ میں پھر حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے یارسول اللہ ﷺ میرا باپ کون ہے فرمایا تمہارا باپ حذافہ ہے حضرت انس کا بیان ہے کہ اس کے بعد بھی حضور بار بار فرماتے رہے کہ مجھ سے پوچھو مجھ سے پوچھو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے ہم اللہ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں۔ حضرت عمر کی اس گذارش پر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے اور فرمائے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ابھی اس دیوار کے سامنے جب کہ میں نماز پڑھ رہا تھا مجھ پر جنت و دوزخ کو پیش کیا گیا تو آج کی طرح میں نے خیر وشر کبھی نہیں دیکھا۔ (بخاری ج ۲ کتاب الاعتصام)

غور فرمایئے کہ حضور سید المرسلین ﷺ کا قیامت تک کے تمام اہم معاملات کی خبر

دینا اور فرمانا کہ تم لوگ جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو جو کچھ بھی پوچھو گے میں بتادوں گا پھر ایک شخص کا ٹھکانا اور حضرت عبداللہ بن حذافہ کے باپ کا نام بتا دینا کیا ان باتوں سے یہ حقیقت خوب واضح نہیں ہو جاتی کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جمیع ما کان وما یکون کے عالم ہیں۔

چوں کہ لوگ حضرت عبداللہ بن حذافہ کے باپ کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا تھے اور وہ ان کو طعنہ دیا کرتے اس لئے اپنی صفائی کے لئے انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات پوچھ لی۔

ان کی ماں کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے ڈانٹتے ہوئے فرمایا کیا تجھے پتہ نہیں کہ زمانہ جاہلیت کی عورتوں کا کیا حال تھا اگر میں نے کوئی غلط قدم اٹھالیا ہوتا تو آج میں رسوا ہو جاتی اس پر حضرت عبداللہ نے کہا اگر حضور مجھے کسی حبشی غلام کا بیٹا بتا دیتے تب بھی میں یقین کر لیتا۔

اور زنا سے نسب ثابت نہ ہونے کے باوجود آپ نے یہ بات اس لئے کہی کہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت آپ کو یہ مسئلہ معلوم نہ رہا ہو دوسری بات یہ کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے آپ نے وطی بالشبہ مراد لیا ہو کہ وطی بالشبہ (یعنی اپنی بیوی کے شبہ میں کسی کے ساتھ زنا کر لینے) سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ (حاشیۂ مسلم جلد دوم ص ۲۶۳)

سرکار علیہ السلام یہ بھی فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے دنیا میرے سامنے کر دیا ہے تو میں دنیا کو اور اس میں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ہاتھ کی اس ہتھیلی کو (زرقانی ج ۷)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ ایک بھیڑیئے نے ریور سے ایک بکری پکڑ لی تھی تو چرواہے نے اس کا پیچھا کر کے بکری چُھڑا لی تو وہ بھیڑیا ایک ٹیلے پر بیٹھ کر کہنے لگا میں نے اللہ کی روزی حاصل کرنی چاہی لیکن تو نے اسے چھین لیا تو چرواہے نے کہا خدا کی قسم میں نے اس سے پہلے

کبھی بھی بھیڑیئے کو بات کرتے نہیں دیکھا اس پر بھیڑیئے نے کہا اس سے زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دوسیاہ پتھر والی زمینوں کے درمیان کھجوروں کے جھُرمٹ (مدینہ شریف) میں ایک ایسے انسان تشریف رکھتے ہیں جوگزری ہوئی اور آنے والی تمام باتوں کو بتاتے ہیں۔

حضرت ابوھریرہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص یہودی تھا اس نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ سارا واقعہ پیش کیا اور مسلمان ہو گیا پھر حضور علیہ السلام نے اس واقعہ کی تصدیق بھی فرمائی (یعنی حضور نے اس بات کی تصدیق فرمائی کہ بیشک میں گزری ہوئی اور آئندہ باتوں کی خبر دیتا ہوں) (مشکوٰۃ باب المعجزات ص ۵۴۱)

معلوم ہوا کہ جولوگ حضور علیہ السلام کو عالم ما کان وما یکون نہیں مانتے وہ بھیڑیئے سے بھی گئے گزرے ہیں۔

ان واضح دلائل کے بعد کوئی بھی شعور مند انسان حضور سید المرسلین ﷺ کے عالم ما کان وما یکون ہونے اور مخلوقات کے درمیان آپ کی بے مثال وسعت علم کا انکار نہیں کرسکتا لیکن وہابی دیوبندی اس ٹھوس حقیقت کا انکار کرتے ہوئے اپنے اس باطل دعوے کے ثبوت میں ان باتوں کو دلیل بناتے ہیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان سے پہلے جب حضرت عثمان غنی کے قتل کی افواہ پھیلا دی گئی تھی تو حضور سید المرسلین ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے صحابہ کرام کی اس بات پر بیعت لی کہ تم لوگ آخری دم تک میرے وفادار وجاں نثار رہنا تو اگر آپ کو ما کان وما یکون کا علم ہوتا تو یہ بیعت ہرگز نہ لئے ہوتے۔

جواب یہ ہے کہ یقینا حضور سید المرسلین ﷺ کو معلوم تھا کہ حضرت عثمان غنی شہید نہیں ہوئے ہیں جبھی تو اپنا بایاں دست مبارک دائیں دست مبارک پر لیتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی بیعت ہے۔اور بارگاہ ایزدی میں عرض

کیا تھا یارب عثمان تیرے اور تیرے رسول کے کام میں ہیں۔ اگر حضور کو حضرت عثمان غنی کی سلامتی معلوم نہ ہوتی تو ان کی یہ بیعت کیوں لیتے اور اس علم کے باوجود یہ بیعت اس لئے لی گئی تا کہ ان حضرات کے جوش ایمانی کا اظہار ہو جائے اور اس طرح یہ بلند ترین مرتبے پر فائز ہو جائیں۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ سے واپسی پر جب ایک یہودن نے حضور علیہ السلام پر جادو کیا تھا تو آپ کو پہلے سے اس کا علم نہ تھا کہ اگر علم ہوتا تو پہلے ہی جادو دور کرنے کی تدبیر شروع فرما دیئے ہوتے جبکہ آپ نے ایسا نہ کیا بلکہ چھ مہینے بعد جب حضرت جبرائیل نے جادو کی خبر دی تب آپ کو معلوم ہوا۔

تو اس کا جواب یہ کہ اس سے کہاں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جادو کا علم نہ تھا بلکہ یقیناً آپ کو معلوم تھا کہ مجھ پر جادو کر دیا گیا ہے اور کس نے کیا یہ بھی معلوم تھا پھر بھی خاموش رہے کہ آپ جانتے تھے کہ مرضی مولیٰ یہی ہے کہ میں کچھ عرصہ اس میں مبتلا رہوں تو آپ راضی برضا تھے کہ یہی کمال فرماں برداری کی دلیل ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو خیبر میں ایک یہودن کے ہاتھوں زہر آلود گوشت ہرگز نہ کھائے ہوتے حالانکہ آپ نے اس گوشت کا لقمہ اپنے منہ میں ڈال لیا تھا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کو غیب کا علم نہ تھا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو واقعی علم تھا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے لیکن پھر بھی اسے کھا لئے کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہی ہے کہ ہم اسے کھا لیں تا کہ وفات کے وقت اس کا اثر لوٹے اور شہادت کی نعمت سے ہم سرفراز ہو جائیں اس میں بھی آپ راضی برضا تھے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں بیر معونہ کے منافقین نے آپ کو دھوکہ دے کر ستر صحابہ کرام کو آپ سے لے گئے جنھیں انھوں نے شہید کر دیا اگر آپ کو علم غیب ہوتا تو آپ ان صحابہ کو ہرگز نہ جانے دیتے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور سید المرسلین ﷺ کو یقینا معلوم تھا کہ یہ منافقین انھیں شہید کر دیں گے لیکن پھر بھی آپ نے ان صحابہ کرام کو ان کے حوالے کر دیا کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ ان کی شہادت کا وقت آ چکا ہے اور مرضی مولیٰ یہی ہے تو آپ راضی برضا تھے کہ کامل بندے کی یہی شان ہوتی ہے۔

دیکھئے اگر مرضی مولیٰ نہیں ہوتی تو رب تعالیٰ کو معلوم تھا کہ میرے حبیب پر جادو ہونے والا ہے، گوشت میں زہر ہے اور یہ منافقین ان صحابہ کو شہید کر دیں گے تو وہ یقینا جادو کو حضور ﷺ پر اثر کرنے سے روک دیتا اور وحی بھیج کر آقائے دو جہاں ﷺ کو بتا دیتا کہ گوشت میں زہر ہے اور ان منافقین کی نیت بخیر نہیں ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مدینہ شریف میں صحابہ کرام نر کھجور کی شاخیں مادہ میں لگایا کرتے تاکہ پھل زیادہ آئے جب حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو ایسا کرتے دیکھا تو انھیں اس کام سے روک دیا کہ شاخ نہ لگانا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے خدا کی شان کہ اس عمل کو چھوڑتے ہی پھل گھٹ گئے آپ کی خدمت مقدسہ میں اس بات کی شکایت کی گئی تو فرمایا اپنے دنیاوی معاملات تم لوگ خوب جانتے ہو۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ کو غیب کا علم نہ تھا ورنہ شاخ لگانے سے صحابہ کرام کو ہرگز منع نہ فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور سید المرسلین ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم لوگ اپنے دنیاوی امور خوب جانتے ہو اظہار ناراضگی کے طور پر تھا کہ جب تم صبر نہیں کر سکتے تو دنیاوی معاملات تم خود جانو۔

ملّا علی قاری شفا شریف بحث معجزات میں رقمطراز ہیں۔ اگر وہ رُک جاتے اور دو ایک سال نقصان برداشت کر لیتے تو شاخ لگانے کی محنت سے بچ جاتے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور سید المرسلین ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ ایک جنگ سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم

ہو گیا بہت تلاش کیا لیکن نہ ملا آخر کار حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے اصحاب کے ساتھ وہیں رُکنا پڑا جب کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے ان مبارک افراد کی نماز فجر بھی قضا ہو گئی پھر صبح میں جب اونٹ اٹھایا گیا تو یہ ہار اونٹ کے نیچے ملا تو اگر حضور کو غیب کا علم ہوتا تو پہلے ہی بتا دیئے ہوتے تا کہ نماز فجر قضا نہ ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نہ بتلانا لاعلمی کی دلیل نہیں ہوتی بلکہ بہت سی حکمتوں کی بنیاد پر بھی بتایا نہیں جاتا تو یہاں پر ہار کی خبر نہ دینے میں یہ حکمت کارفرما تھی کہ اسی بہانے سے آیت تیمم نازل ہو جائے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بخاری کتاب المغازی میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت پریشان رہنے لگے تھے پھر بھی بغیر وحی کے کچھ بھی نہ فرما سکے اگر حضور کو علم غیب ہوتا تو پہلے ہی حضرت عائشہ کی برائت کا اعلان فرما دیتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ حضور اس تہمت پر خاموش رہے سراسر غلط ہے۔ کیوں کہ بخاری کی اسی حدیث میں ہے کہ جب یہ خبر حضور تک پہنچی تو آپ خود منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے اوران الفاظ میں حضرت عائشہ کی پاکدامنی کا اعلان فرمایا کہ اس آدمی کے مقابلے میں میری مدد کون کرے گا جس نے میرے اھل کے بارے میں مجھے ایذا پہنچائی ہے خدا کی قسم مجھے اپنے اھل پر خیر ہی کا یقین ہے۔

اس صفائی کے بعد تہمت لگانے والے منافقین شور شرابہ کرنے لگے جس سے آپ کو اور بھی صدمہ ہوا اس لئے اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر موقوف کر دیا کہ جب وحی الٰہی کا نزول ہوگا تو سارے فتنے خود بخود ختم ہو جائیں گے پھر آپ خاموش ہو گئے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب بعض ازواج مطہرات کے گھر شہد تناول فرمایا تھا اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے دہن مبارک سے مغافیر (ایک قسم کا گوند جو بعض درختوں سے

نکلتا ہے) کی بو آرہی ہے تو آپ نے فرمایا میں نے مغافیر استعمال نہیں کیا ہے۔ بلکہ شہد کھایا ہے اس کے بعد حضور نے اپنے اوپر شہد کو حرام کرلیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یَاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَااَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۔ (سورہ تحریم آیت ۱)

اے غیب بتانے والے نبی تم اپنے اوپر کیوں حرام کئے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی۔

معلوم ہوا کہ آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرے منہ سے بو آرہی ہے کہ نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتراض کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے کہ اے محبوب آپ کا یہ حرام فرمانا بے خبری کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان اعتراض کرنے والی ازواج کی رضا کے لئے ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شعر کا علم نہ تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَہٗ ۔ (سورہ یٰس آیت ۶۹)

اور ہم نے ان کو شعر کا علم نہیں دیا اور یہ علم ان کی شان گرامی کے مناسب بھی نہیں ہے۔

تو جب حضور کو شعر کا علم نہیں دیا گیا تو پھر وہ جمیع ما کان و ما یکون کے عالم کہاں ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم کے دو معانی ہیں ایک جاننا اور دوسرا ملکہ یعنی کسی کام کی مشق رکھنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعَلَّمْنٰہُ صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ لِتُحْصِنَکُمْ مِنْ بَاْسِکُمْ فَھَلْ اَنْتُمْ شٰکِرُوْنَ ۔ (سورہ انبیاء آیت ۸۰)

اور ہم نے داؤد کو تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھا دیا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے تو کیا تم شکر کرو گے اس آیت مقدسہ میں سکھانے سے مراد ملکہ دینا ہے ورنہ کون ایسا تھا جو علم بمعنیٰ دانش زرہ نہ جانتا ہو بلکہ سب کو معلوم تھا کہ

زرہ کیسے بنایا جاتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

عَلِمُوْا غِلْمَانَکُمُ الْعَوْمَ وَ مُقَاتِلَتَکُمُ الرِّمٰی۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۴۶)

اپنے بیٹوں کو تیرا کی اور اپنی لڑنے والی جماعت کو تیر اندازی سکھاؤ۔

اس حدیث پاک میں بھی سکھانے سے مراد ملکہ اور مشق کرانا ہے ورنہ کون نہیں جانتا ہے کہ تیرا کی اور تیر اندازی کیسے کی جاتی ہے۔

اسی طرح جب اردو میں بولا جاتا ہے کہ تم سائیکل چلانا نہیں جانتے ہو تو یہاں جاننے سے مراد ملکہ و مشق ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ سائیکل کیسے چلائی جاتی ہے۔

اسی لئے تمام مفسرین نے اس آیت کریمہ میں شعر نہ سکھانے سے ملکہ نہ دینا ہی مراد لیا ہے۔ وہ حضور علیہ السلام سے علم غیب کی نفی پر ان آیتوں کو بھی دلیل بناتے ہیں جن میں اللہ رب العزت کے علاوہ سے علم غیب کی نفی سمجھی جاتی ہے جبکہ ان سے ان کا دعویٰ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ان آیتوں میں ذاتی علم مراد ہے اور جن آیتوں سے حضور علیہ السلام کے لئے علم غیب ثابت ہوتا ہے ان سے عطائی علم مراد ہے ورنہ آیات قرآنی میں تعارض لازم آجائیگا۔

دوسری بات یہ کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلق علم غیب تو ابتدا ہی سے حاصل تھا کہ نبی کا معنیٰ ہی ہے غیب کی خبر دینے والا۔ لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے۔ اَلنَّبِیُّ اَلْمُخْبِرُ عَنِ الْغَیْبِ۔ نبی کہتے ہیں غیب کی خبر دینے والے کو۔ مصباح اللغات میں ہے۔ نبی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی خبر بتانے والے کو ۔لیکن جمیع ما کان وما یکون کا علم نزول قرآن کے اختتام پر مکمل ہوا۔ تو اگر نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے ایک دو باتوں کا علم حضور کو نہ بھی ہو جب بھی حضور کے عالم جمیع ما کان وما یکون ہونے میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔

یہاں تک کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب حاصل ہوتا ہے اور یہ علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم پاک کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب العقائد میں ہے۔ بندہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ روحانیت کی صفت کو پالیتا ہے تو غیب جانتا ہے۔ اسی میں ہے کامل بندہ چیزوں کی حقیقتوں پر مطلع ہوجاتا ہے اور اس پر غیب وغیب الغیب کھل جاتے ہیں۔

امام ابن حجر مکی کتاب الاعلام میں فرماتے ہیں۔ جائز ہے کہ خاص خاص حضرات کسی معاملے یا فیصلے میں غیب جان لیں جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے واقع ہوکر مشہور ہوگیا۔

زرقانی شرح مواہب لدنیہ ج ۷ میں ہے۔ لطائف المنن میں ہے کہ کامل بندے کا اللہ کے غیبوں میں سے کسی غیب پر مطلع ہوجانا عجیب نہیں اس حدیث کی وجہ سے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو کیوں کے وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اور اس حدیث قدسی کا بھی یہی مطلب ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔

پس اس کا دیکھنا حق کی طرف سے ہوتا ہے تو اس کا غیب پر مطلع ہونا تعجب کی بات نہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ غیوب خمسہ یعنی قیامت کب آئیگی، بارش کب ہوگی، ماں کے پیٹ میں کیا ہے، کون کل کیا کرے گا، کون کہا مرے گا۔ ان سب باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں کہ ارشاد نبوی ہے۔ مجھے پانچ چیزوں (یعنی علوم خمسہ کے علاوہ تمام چیزوں کی کنجیاں دی گئیں (مسند امام احمد، معظم کبیر)

تو یہ ابتدائی زمانے کا ذکر ہے ورنہ بعد میں آپ کو علوم خمسہ بھی عطا کردیا گیا تھا۔ جامع صغیر کے حاشیہ میں ہے۔ اس کے بعد ان پانچ باتوں کی بھی تعلیم دی گئی۔

اور جس حدیث پاک میں کہا گیا ہے کہ غیوب خمسہ کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو حاصل نہیں۔ شیخ محدث عبدالحق دہلوی اشعۃ اللمعات میں اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں اس حدیث پاک کا

مطلب یہ ہے کہ ان پانچ باتوں کو اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی اپنی عقل سے نہیں جانتا اس لئے کہ یہ پانچوں ان غیبوں میں ہے ہیں جو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے معلوم نہیں ہوتے۔

اگر حضور سید المرسلین ﷺ کو علوم خمسہ کا علم نہ ہوتا تو ان چیزوں کے بارے میں لوگوں کو ہرگز نہ بتائے ہوتے جبکہ ان باتوں کے بارے میں آپ نے لوگوں کو آگاہی فرمائی ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ام الفضل نے مجھ سے کہا کہ ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کے قریب سے گذری تو آپ نے فرمایا ام الفضل تم ایک بیٹے کی ماں بننے والی ہو جب وہ پیدا ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ جب وہ بچہ ہوا تو میں اسے لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمائی اس کے بعد اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس کا نام عبداللہ رکھا پھر فرمایا خلفاء کے باپ کو لے جاؤ حضرت ام الفضل فرماتی ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میں نے حضور کا ارشاد بیان کیا تو تفصیل جاننے کے لئے وہ حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بات وہی ہے جو ہم نے کہی یہ خلفاء کا باپ ہے یہاں تک کہ انھیں میں سے سفاح اور مہدی بھی ہوگا۔

غور فرمایئے کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے پیٹ کے بچے کے علاوہ بچے کی پشت میں جو نیچے تک تھے انھیں بھی جان لیا اور یہ بھی جان لیا کہ ان میں سفاح بھی ہوگا اور مہدی بھی (دلائل النبوۃ، المواہب اللدنیہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ جنگ سے پہلے ہی آقائے دو جہاں ﷺ نے میدان بدر میں اپنا دست مبارک رکھ کر فرمادیا تھا کہ یہ فلاں کافر کے مرنے کی جگہ ہے اور یہ فلاں کافر کے مرنے کی جگہ ہے آپ نے جس کافر کے لئے جہاں ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا اس کی لاش وہیں گری وہاں سے قطعاً ادھر اُدھر نہ ہوئی۔ (مسلم ج ۲ کتاب الجہاد)۔

□□□

اختیاراتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ بالکل نا قابل انکار حقیقت ہے کہ رب کائنات نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری کائنات کا مالک ومختار بنادیا ہے اور وہ رب کائنات کی مرضی سے ساری خدائی میں تصرف فرمانے والے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَانَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔ (سورہ توبہ آیت ۷۴)

اور انھیں کیا بُرا لگا یہی نہ کہ اللہ ورسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی کردیا۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ شریف میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے منافقین بہت تنگ دست رہا کرتے تھے لیکن آپ کی آمد مبارک کے بعد ان میں مالی فراوانی آگئی تو اس احسان کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ حضور کے ساتھ مخلص ہوجاتے لیکن وہ اور بھی دشمن ہوگئے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

تو دیکھئے اللہ رب العزت نے اس میں دولت مند کرنے کی نسبت اپنی طرف بھی کی اور اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بھی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیارات نہ ہوتے تو ایسا ہرگز نہ فرمایا جاتا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۔ (سورہ توبہ آیت ۵۹)

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ ورسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب دے گا اللہ ہمیں اپنے فضل سے اور اس کا رسول بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

دیکھئے اس آیت کریمہ میں بھی رب کائنات نے اپنے ساتھ اپنے رسول کو بھی دینے والا فرمایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ اللہ و رسول سے امید رکھو کہ وہ ہمیں اپنے فضل سے دیں گے اگر حضور کو اختیار نہ ہوتا تو ایسا کیوں فرمایا جاتا۔

حضرت ام درداء فرماتی ہیں:

میں نے کعب احبار سے پوچھا کہ تم توریت مقدس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کون سے اوصاف پاتے ہو تو انھوں نے کہا کہ توریت مقدس میں حضور کے یہ اوصاف مرقوم ہیں محمد اللہ کے رسول ہیں ان کا نام متوکل ہے نہ وہ بدمزاج وسخت کلام ہیں اور نہ بازاروں میں چلّانے والے اور انھیں کنجیاں دی گئی ہیں تاکہ ان کے ذریعے رب کائنات پھوٹی آنکھوں کو بینا بہرے کانوں کو سننے والا اور ٹیڑھی زبانوں کو سیدھا فرمادے یہاں تک کہ لوگ گواہی دیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اس کا کوئی ساجھی نہیں (یعنی حضور کے ان اختیارات وکمالات کو دیکھ کر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں) وہ مظلوم کی مدد فرمائیں گے اور انھیں کمزور سمجھے جانے سے بچائیں گے (بیہقی، دلائل النبوۃ)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ انجیل مقدس میں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اس طرح مرقوم ہیں۔

نہ وہ سخت دل ہیں نہ سخت مزاج اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے انھیں کنجیاں عطا کی گئی ہیں۔ (اسی طرح باقی عبارات بھی توریت مقدس کی طرح ہیں) (حاکم، بیہقی)

ارشاد نبوی ہے۔ میں سو رہا تھا کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں (بخاری و مسلم)

مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی بھی نبی کو نہ ملا رعب سے میری مدد فرمائی گئی

اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں۔(امام احمد، امام ابوبکر بن شیبہ)
امام جلال الدین سیوطی نے اس حدیث پاک کو صحیح کہا ہے۔ مجھے
ساری دنیا کی کنجیاں عطا ہوئیں۔(مسند امام احمد بن حنبل)

مذکورہ احادیث مکرمہ کے علاوہ بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ساری کائنات کا حقیقی وذاتی مالک تو رب کائنات ہے لیکن عطائی ومجازی مالک حضور سید المرسلین ﷺ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کی مرضی سے کائنات میں تصرف فرمانے والے ہیں۔

لیکن اس وہابی نے حضور علیہ السلام کے اختیارات مبارکہ کی نفی کے لئے یہ حیلہ لگایا ہے کہ اگر حضور مالک ومختار ہو جائیں تو رب کائنات بے اختیار ہو جائیگا تو یہ اس کی حماقت وجہالت اور ذہنی فساد کی دلیل ہے کیوں کہ وہ خود بتائے کہ جب مکان ودوکان اور زمین وجائداد پران کی ملکت سے رب کائنات کے مالک ومختار ہونے میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا تو پھر حضور علیہ السلام کے مالک ومختار ہونے سے اس کے مالک ومختار ہونے میں کیا فرق پڑسکتا ہے رب کائنات کی ملکیت واختیار ذاتی وحقیقی ہے اور حضور سید المرسلین ﷺ کی عطائی ومجازی۔

اور جب حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی عطا سے کائنات میں تصرف فرمانے والے ہیں تو وہ انھیں تصرف فرمانے سے روک بھی سکتا ہے تو اگر یک دو مواقع پر اس نے اپنے حبیب مکرم کو تصرف فرمانے سے روک بھی دیا ہے جب بھی آپ کے اختیارات پر فرق نہیں پڑسکتا اس لئے حضور علیہ السلام کے اختیارات کی نفی پر اس بات کو دلیل بنانا بھی بہت بڑی حماقت کی بات ہے۔اس وہابی نے اہل سنت پر جھوٹا الزام لگایا کہ وہ حضرات سارے اختیارات حضور ہی کے لئے مانتے ہیں اور رب کائنات کو بے اختیار جانتے ہیں (العیاذ باللہ) اور اس نے اس کے ثبوت میں اس طرح کے ایک شعر کو پیش کیا ہے جب کے اہل سنت اس طرح کے غیر شرعی اشعار ونظریات سے ہمیشہ

بیزار رہے ہیں۔

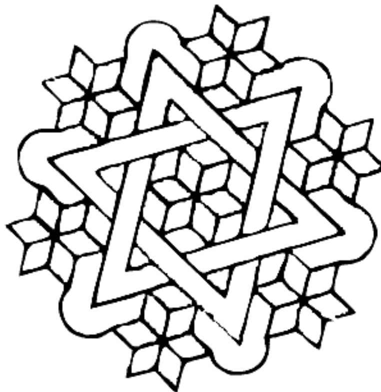
امام ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں:

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نائب اعظم ہیں جن کے قبضہ اور قدرت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشش کے خزانے دے دیئے ہیں جس کو جو چاہیں دیدے۔(جوہر منظم)

تو جب سرکار کائنات اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ بے اختیار کیسے ہوسکتا ہے کہ اصل بے اختیار نہیں ہوتا۔اور مجدد اعظم امام احمد رضا خان فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم
رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں





اولیائے کرام کے لئے نذرونیاز

نذر کے دومعانی ہیں، نذرلغوی اور نذرشرعی۔

نذرلغوی کہتے ہیں نذرانے اور ہدیے کو اور نذرشرعی کہتے ہیں اس نذرکو جو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اوراس کی عبادت کے لئے اس سے مانی جائے۔

نذرلغوی بلاشبہ غیر اللہ کے لئے بھی جائز ہے۔حضرت بُریدہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب اپنے کسی جہاد سے واپس ہوئے تو ایک سیاہ فام لونڈی حاضر بارگاہ ہوکرعرض گذار ہوئی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نے منت مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ اگرآپ کوسلامتی کے ساتھ واپس لے آئے تو میں آپ کے سامنے دف بھی بجاؤں گی اور گاؤں گی بھی تو حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگرتو نے منت مانی ہےتو بجالے ورنہ نہیں۔

اجازت مل جانے کے بعد اس نے دف بجانا شروع کردیا حضرت ابوبکر صدیق آئے وہ بجاتی رہی حضرت علی آئے وہ بجاتی رہی حضرت عثمان آئے وہ بجاتی رہی یہاں تک جب حضرت عمر آئےتو اس نے دف کو اپنی سُرین کے نیچے رکھ کر بیٹھ گئی۔

سرکار دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمر شیطان تم سے ڈرتا ہے میں بیٹھا ہوا تھا وہ بجاتی رہی ابوبکر آئے وہ بجاتی رہی علی آئے وہ بجاتی رہی عثمان آئے وہ بجاتی رہی لیکن اے عمر جب تم آئے تو اس نے دف کو پھینک دیا۔(مشکوٰۃ باب مناقب عمر)

چوں کہ وہ لونڈی تھی اور لونڈی پر نہ تو پردہ واجب ہوتا ہے اور نہ اس کی آواز عورت ہے اجنبی شخص اسے دیکھ بھی سکتا ہے اس کی آواز بھی سُن سکتا ہے اس لئے وہ

بدستور دف بجاتی رہی اور کسی سے نہ ڈری لیکن حضرت عمر کو دیکھتے ہی اس نے وہ کام بند کر دیا جو جائز وعبادت تو تھا مگر لہو ولعب کی صورت پر تھا۔

اور وہ باندی کیوں نہ ڈرتی جبکہ حضرت عمر کی ہیبت کا حال تو یہ تھا کہ ان سے شیطان بھی ڈرتا تھا۔

تو دیکھئے جس باندی نے حضور کے لئے دف بجانے کی نذر مانی تھی وہ نذر شرعی ہرگز نہ تھی بلکہ نذر عرفی ولغوی تھی کہ نذر شرعی انھیں چیزوں کی مانی جاتی ہے جو واجبات کی جنس سے ہوں اور دف بجانا وگانا واجب نہیں۔ (حاشیۂ مشکوٰۃ از محمد بن بارک اللہ)

یہ اور بات ہے کہ یہ عبادت کی قسم سے ضرور تھی کیوں کہ سلامتی کے ساتھ حضور کی تشریف آوری پر خوشی منانا بہترین عبادت ہے تو یہ نذر درست ہوئی کہ نذر عبادت ہی کی ہوتی ہے۔ (مرقات، اشعۃ اللمعات)

تو اگر غیر اللہ کے لئے نذر جائز نہ ہوتی تو نہ باندی حضور کے لئے دف بجانے کی نذر مانتی اور نہ حضور اس نذر کو پوری کرنے کی اجازت دیتے۔

عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبقات کبریٰ احوال ابوالمواھب محمد شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں رقمطراز ہیں۔

حضرت ابوالمواھب محمد شاذلی فرمایا کرتے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تمہیں کوئی حاجت ہو اور اس کا پورا ہونا چاہو تو سیدہ حضرت نفیسہ کے لئے کچھ نذر مان لیا کرو اگر چہ ایک پیسہ ہو کہ تمہاری حاجت پوری ہوگی۔

غور کیجئے کہ بزرگوں کے لئے لغوی شرعی نذر ماننی اگر بُری ہوئی تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا حکم ہرگز نہ دیئے ہوتے البتہ غیر اللہ کے لئے نذر شرعی ماننی حرام بلکہ کفر ہے کہ نذر شرعی عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کفر ہے۔

اور اولیائے کرام کے لئے جو نذر کی جاتی ہے وہ نذر شرعی نہیں بلکہ نذر عرفی ولغوی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ آپ

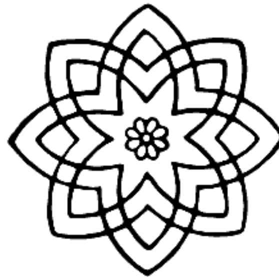
دعا فرما دیں کہ مجھے اولاد ہو جائے اگر مجھے اولاد ہو جائیگی تو آپ کی خدمت میں فلاں مال کو نذر کروں گا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اس مال کے ذریعے میں آپ کی عبادت کروں گا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس مال کا صدقہ کروں گا اور اس صدقہ سے جو ثواب مجھے حاصل ہوگا وہ آپ کی خدمت میں نذر کروں گا۔

اور فقہائے کرام نے جہاں بھی اولیائے کرام کے لئے نذر کو باطل و حرام کیا ہے وہاں اس سے یہی نذر شرعی مراد ہے جو عبادت کے لئے مانی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تقریباً اِلَیہِم کی قید لگائی ہے۔

یعنی اولیائے کرام کا قرب حاصل کرنے اور ان کی عبادت کے لئے جو نذر مانی جائے وہ باطل و مردود ہے۔

> اور خود رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے۔اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اگر اس کا یہ معنیٰ ہے کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے اور جو نذر بمعنیٰ تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ ج ا کتاب الحظر والاباحۃ)





میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ رب العزت کی ایک نعمت ہیں ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (سورہ انبیاء)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

یعنی آپ جن وانس مومن وکافر اور فرشتے سب کے لئے رحمت ہیں مومن کے لئے آپ کی رحمت یہ ہے کہ آپ ہی کی برکت سے وہ ایمان والے ہوئے اور کفر وشرک کی تاریکیوں سے انھیں نجات ملی آپ ہی نے انھیں صفات حمیدہ اور خصائل محمودہ سے آراستہ فرمایا اور راتوں میں جاگ کر ان کے لئے دعائے مغفرت بھی فرمائی پھر آخرت میں ان کی شفاعت فرمائیں گے آب کوثر سے سیراب کریں گے لواء الحمد کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے میزان عدل اور پل صراط پر مہربانی فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ۔ (سورہ انفال آیت ۳۳)

اور اللہ کا کام نہیں کہ ان کو عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں ہو۔

اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ ہے کہ کفار نے ایک مرتبہ دعا کی تھی خداوندا اگر یہ قرآن سچا ہے تو اس پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا عذاب میں مبتلا فرمادے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ اے محبوب یہ کفار خود ہی اپنے اوپر عذاب طلب کررہے ہیں لیکن چوں کہ تم ان میں جلوہ فگن ہو اور تم سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہو اس لئے تمہاری موجودگی میں ان پر عذاب نہ آئیگا۔

توحضور کی برکت سے عام عذاب روک دیا گیا جبکہ دیگر قوموں پر انبیائے کرام

کی تکذیب کی وجہ سے عام عذاب آجاتا اور وہ ہلاک و برباد کردی جاتیں چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور فرعون کو اس کی فوج کے ساتھ ڈوبا دیا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً۔ (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱۵)

اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

اور فرشتوں کے لئے آپ کی رحمت یہ ہے کہ اس آیت کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے۔ ایک بار حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل جب میں رحمۃ للعالمین ہوں اور تم بھی عالم میں داخل ہو تو تم کو مجھ سے کون سی رحمت ملی اس پر حضرت جبرئیل نے عرض کیا یا رسول اللہ اب تک مجھے اپنے انجام کی خبر نہ تھی کہ وہ اچھا ہوگا یا برا لیکن آپ کی برکت سے مجھے امن مل گیا اور اطمینان ہوگیا کہ میرا انجام بہتر ہوگا کیوں کہ قرآن حکیم میں میرے بارے میں ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۔ (سورہ تکویر آیت ۲۰-۲۱) جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہیں بلکہ وہ اللہ رب العزت کی عطا کردہ تمام نعمتوں میں سب سے ارفع و اعلیٰ اور بلند و بالا نعمت ہیں کہ آپ ہی وجہ تخلیق کائنات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل میرے پاس آکر بولے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب کائنات نے ارشا فرمایا ہے کہ اگر آپ کو پیدا کرنا میرا مقصود نہ ہوتا تو جنت و دوزخ کسی کو پیدا نہ کرتا۔ (دیلمی)

ابن عساکر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ اور چوں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رتعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں اسی

لئے رب کائنات نے اپنی اس نعمت کی عطا پر احسان بھی جتلایا ہے تا کہ امت مسلمہ کو معلوم ہو جائے کہ یہ کوئی عام نعمت نہیں ہے بلکہ یہ وہ عظیم الشان نعمت ہے جس کی قدر ومنزلت کا اظہار بھی ہونا چاہئے اور جس کے ملنے پر شکریہ بھی ادا ہونا چاہیئے۔

ارشاد گرامی ہے۔لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ۔(سورہ آل عمران آیت ۱۶۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انھیں میں سے عظمت والا رسول بھیجا۔معلوم ہوا کہ حضور سید المرسلین ﷺ اللہ رب العزت کی سب سے بڑی نعمت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کی یاد منانے اس کا شکریہ ادا کرنے اور اس پر خوشیاں منانے کا حکم دیا ہے کہ ارشاد گرامی ہے۔وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ۔(سورہ بقرہ آیت ۲۳۱)اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے ۔وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ۔(سورہ ضحیٰ ۱۱)۔اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو ۔وَذَکِّرْ ھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ ۔(سورہ ابراھیم آیت ۵)اور انھیں اللہ کے دن یاد دلا۔

تفسیر کبیر،خازن،اور مدارک میں ہے کہ ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں جن میں بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے اور جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعامات نازل فرمائے۔

وَاشْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ ۵۔(سورہ نحل آیت ۱۱۴)اور اللہ کی نعمت کا شکریہ کرو اگر تم اسے پوجتے ہو۔اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بیان کرنا بھی شکر ہی ہے کہ حدیث شریف میں ہے۔اَلتَّحَدُّثُ بِنِعْمَۃِ اللّٰہِ شُکْرٌ وَتَرْکُہٗ کُفْرٌ۔(مسند امام احمد بن حنبل)

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بیان کرنا شکر ہے اور نہ بیان کرنا کفر (ناشکری)

ہے۔قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا۔(سورۂ یونس آیت ۵۸)تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیئے کہ خوشی کریں۔

اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا فضل ورحم اور کیا ہوسکتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں نے مشاہدہ سے بھی قدرت الٰہیہ کو جاننے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا تھا کہ آپ رب کائنات کی بارگاہ میں دعا کردیجئے کہ وہ ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل فرمائے۔

اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا۔(سورہ مائدہ آیت ۱۱۴)اے اللہ رب ہمارے آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلے پچھلوں کی۔یعنی اے رب کائنات ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان نازل فرما، تاکہ اس کے نزول کے دن کو ہم عید بنالیں (یعنی ہمارے علاوہ جو دیندار ہمارے زمانہ میں ہیں اور جو ہمارے بعد آئیں گے ان کے لیے بھی عید ہو) اس کی تعظیم کریں خوشیاں منائیں منائیں تیری عبادت اور شکر بجالائیں۔کیوں کہ عید اسی خوشی کو کہتے ہیں جو بار بار منائی جائے۔

چوں کہ یہ دسترخوان اتوار ہی کے دن نازل ہوا تھا اسی لئے جب بھی اتوار کا دن آتا ہے تو عیسائی لوگ اس خوشی کو مناتے ہیں۔

اس آیت کریمہ نے ہمیں ذہن دیا کہ نعمت ملنے کے دن خوشی منانا اور اس دن کو عید بنانا کوئی نیا طریقہ نہیں ہے بلکہ صالحین کا معمول رہا ہے۔اور اس بات کا ثبوت حدیث پاک سے بھی ہے کہ جب کسی نے محفل میلاد النبی کے بارے میں حضرت شیخ ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز تو فرمایا میلاد النبی کا ثبوت

تو بخاری ومسلم سے بھی ہے کہ ان میں مرقوم ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ ہجرت فرما کر جب مدینہ شریف پہنچے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں آپ نے جب ان سے اس بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات بخشی اور فرعون کو اس کی فوج کے ساتھ دریائے قلزم میں ڈوبا دیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا اس لئے ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں تو اس پر حضور سید المرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشی منانے کا حق تم سے زیادہ رکھتے ہیں پھر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور اپنے اصحاب کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔

حضرت ابن حجر فرماتے ہیں کہ دیکھو اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ کسی نعمت کو ملنے اور مصیبت کو ٹلنے پر شکریہ ادا کرنا چاہئیے اور حضور سید المرسلین ﷺ کی تشریف آوری سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوسکتی ہے اس لئے اس عظیم نعمت کے ملنے پر بھی شکریہ ادا کرنا چاہئیے (حسن المقصد فی عمل المولد)

تو جب سرکار دوجہاں ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں اور اس نے اپنی نعمت کی یاد منانے اس کے ملنے پر شکریہ ادا کرنے اور خوشیاں منانے کا حکم دیا ہے۔اسی لئے تمام انبیائے کرام اور سلف سے لے کر خلف تک تمام علمائے ربانین ومشائخ کرام اور اہل اسلام بڑے احترام کے ساتھ آپ کی ولادت طیبہ بیان کرتے رہے ہیں اور آپ کی رفعت وبلندی کا خطبہ پڑھتے رہے ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ محمد ﷺ پر تم خود بھی ایمان لاؤ اور اپنی امت کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دو کیوں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا اور نہ جنت ودوزخ کو جب میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ کانپنے

لگا پھر جب اس پر لا الہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا تو وہ ٹھہر گیا۔ (حاکم)
معلوم ہوا کہ نفس میلاد تو شروع ہی سے ہے لیکن موجودہ شکل میں سامان فرحت وسرور اور تعین کے ساتھ ماہ ربیع الاول میں اسے منعقد کرنے کا اغاز موصل عراق کے رہنے والے ایک متقی پرہیز گار شخص عمر نے چھٹی صدی ہجری کے آخر میں کیا۔ (انور ساطعہ)
پھر شاہ اِربل ابوسعید مظفر نے اسے فروغ بخشا جو بڑا متقی و پرہیز گار اور روشن ضمیر بادشاہ تھا۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ کی کتاب میں لکھا ہے۔ سلطان مظفر کا معمول تھا کہ وہ بڑے تزک واحتشام کے ساتھ محفل میلاد شریف کا انعقاد کرتا وہ پاک دل روشن ضمیر بہادر انسان عقلمند عالم اور منصف مزاج حکمراں تھا اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند کرے اور اس پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے اس نے محفل میلاد النبی کا سب سے پہلے اہتمام سنہ ۶۰۴ھ میں کیا تھا اس کے بعد اس نے ہر سال محفل میلاد النبی منعقد کرنے کا اپنا معمول ہی بنالیا وہ ہر سال ماہ ربیع الاول میں تین لاکھ اشرفیاں خرچ کر کے ایک بڑی محفل منعقد کیا کرتا۔
تمام علماء وصلحاء اور عوام کی طرف سے اس مروجہ محفل میلاد النبی کی خوب پذیرائی ہونے لگی۔

سبط ابن جوزی اپنی کتاب مراۃ الزماں میں لکھتے ہیں۔ وَكَانَ يَحْضُرُ عِنْدَهٗ فِي الْمُوْلَدِ اَعْيَانُ الْعُلَمَاءِ وَالصُّوْفِيَةِ۔ اور بادشاہ کی منعقد کردہ اس محفل میلاد النبی میں عالی مرتبت علماء وصوفیاء سب شرکت فرمایا کرتے۔
علامہ جلال الدین سیوطی فتویٰ حسن المقصد میں رقمطراز ہیں۔ اَحْدَثَهٗ مَلِکٌ عَادِلٌ عَالِمٌ وَقَصَدَ بِهِ التَقَرُّبَ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَحَضَرَ عِنْدَهٗ فِيْهِ الْعُلَمَاءُ وَالصَّالِحُوْنَ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ۔ اس عمل کو ایک عادل عالم بادشاہ نے جاری کیا اور اس نے اس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربت پانے کا ارادہ فرمایا جس میں علماء وصلحاء سب کے سب حاضر ہوئے اور کسی

نے بھی انکار نہ کیا۔

یہاں تک کہ اس وقت کے ایک مشہور محدث اور مستند عالم دین ابوالخطاب بن وجیہ نے بادشاہ کے اس عمل سے متأثر ہوکر محفل میلاد النبی کے موضوع پر ایک کتاب تحریر فرماکر بادشاہ کو سنائی تو اس نے خوش ہوکر حضرت ابوالخطاب کو انعام کے طور پر ایک ہزار اشرفی دے دیا۔ (تاریخ ابن کثیر)

معلوم ہوا کہ ۶۰۴ھ ہی میں اس مروجہ محفل میلاد النبی پر تمام علماء وصلحاء کا اجماع ہو چکا تھا۔ اور کسی نے بھی اس عمل خیر سے بیزارگی ظاہر نہ کی۔

لیکن اس اجماع کو منعقد ہونے کے پچاس سال بعد فاکھانی نام کا ایک شخص پیدا ہوا جس نے اس اجماع کے خلاف محفل میلاد النبی کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا تو اس وقت کے جلیل القدر علماء نے اس کا شدید رد فرمایا کہ یہ قول قرآن وحدیث کے بھی خلاف تھا اور اجماع امت کے بھی خلاف تھا آخرکار یہ عمل بدستور جاری رہا یہاں تک کہ پوری دنیا میں رائج ہوگیا۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں۔ ثُمَّ لَازَالَ اَهْلُ الْاِسْلَامِ فِيْ سَائِرِ الْاَقْطَارِ وَالْمُدُنِ الْكِبَارِ يَتَحَفَّلُوْنَ فِيْ شَهْرِ مَوْلِدِهٖ وَيَعْنُوْنَ بِقِرَأَةِ مَوْلِدِ الْكَرِيْمِ وَيَظْهَرُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَرَكَاتِهٖ كُلُّ فَضْلٍ عَمِيْمٍ۔ (موردالروی)

پھر اہل اسلام تمام اطراف اور بڑے بڑے شہروں میں ہمیشہ ماہ ربیع الاول شریف میں محفلیں کرتے رہے اور دل جمعی کے ساتھ حضور کا میلاد پڑھتے رہے اور ان پر برکات اور ہر طرح کا فضل عام ظاہر ہوتا رہا۔

امام سخاوی کا بھی یہی قول سیرت حلبیہ میں اور امام ابن جزری کا مواہب لدنیہ میں منقول ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مجھے ایک دفعہ مکہ شریف میں محفل میلاد النبی میں شریک ہونے کا موقع ملا میں نے دیکھا کہ لوگ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ مقدسہ میں درود وسلام پیش کررہے ہیں اور ان واقعات

کو بیان کررہے ہیں جوحضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت طیبہ کے وقت اور آپ کے اعلان نبوت سے پہلے رونما ہوئے تھے۔

پھر میں نے دیکھا کہ اچانک پوری محفل پرانوار وتجلیات چھاگئے جب میں نے غورکیا تومعلوم ہوا کہ یہ ان فرشتوں کے انوار ہیں جواس طرح کی محفلوں میں شریک ہوا کرتے ہیں اس کے بعد میں نے دیکھا کہ پوری محفل پررحمت خداوندی نازل ہورہی ہے۔(فیوض الحرمین)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں۔میں محفل میلاد النبی میں شریک بھی ہوتاہوں برکات کاذریعہ سمجھتے ہوئے اسے ہرسال منعقد بھی کرتاہوں اورقیام میں لذت پاتاہوں۔(فیصلۂ ہفت مسئلہ)

یہاں تک کہ خودرب کائنات نے بھی قرآن حکیم میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوردیگر بہت سے انبیائے کرام کی ولادت طیبہ اوران کےاوصاف کریمانہ کوبیان فرمایاہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِذْقَالَتِ الْمَلٰئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ۔(سورۂ آل عمران آیت ۴۵)

جب فرشتوں نے مریم سے کہااے مریم اللہ تجھے بشارت دیتاہےاپنے پاس سے ایک کلمہ کی (یعنی ایک فرزندکی) جس کانام ہے مسیح عیسیٰ مریم کابیٹا۔اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوصاف کریمانہ مراتب عالیہ،معجزات فاخرہ اوراس خبرکوسن کرحضرت مریم سےاداہونے والے جملےکوتفصیل کےساتھ بیان کیاگیا۔پھرسورہ مریم میں توحضرت مریم کےحاملہ ہونے ان کےدردِزہ اوراس حالت میں ان سےاداہونے والے کلمے یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ کُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا(ہائے کسی طرح میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اوربھولی بسری ہوجاتی)

پھران کوملائکہ کی طرف سے تسلی ملنے اس موقع پران کی غذااورقوم سے حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے کلام فرمانے کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور ہم میلاد شریف میں بھی تو حضور کی ولادت طیبہ اس موقع پر پیش آنے والے واقعات اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت طیبہ کے اوصاف کریمانہ ہی کو بیان کرتے ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد گرامی ہے۔

وَاِذَاَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَا اٰتَیْتُکُمْ مِنْ کِتَابٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذَالِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذَالِکَ فَاُوْلٰئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (سورہ آل عمران آیت ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے عرض کیا ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (سورہ جمعہ آیت ۲)

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انھیں پاک کرتے ہیں اور انھیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں سے (یعنی امّیوں میں سے) اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے (یعنی صحابہ نہ

ہوئے)اور وہی عزت وحکمت والا ہے۔اور حضور سید المرسلین ﷺ نے خود بھی اپنا میلاد پڑھا اور اپنی ولادت طیبہ کی یاد منائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت ہے۔ایک دن میں حضور سید المرسلین ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا شاید انھوں نے سنا تھا کہ کچھ لوگ حضور کے نسب پاک میں طعن کرتے ہیں۔تو حضور سید المرسلین ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے بتانے پر یا علم نبوت سے جان کر ممبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے دریافت فرمائے بتاؤ میں کون ہوں سب نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں (آپ نے ایسا اس لئے فرمایا کہ یہ جواب آپ کے سوال کے مطابق نہ تھا کیوں کہ اس وقت آپ کا مقصد اپنے نسب کے بارے میں پوچھنا تھا) اللہ نے جب اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہترین مخلوق میں سے بنایا پھر اس کے دو حصے کئے عرب وعجم تو ہم کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں سے بنایا پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے تو ہم کو ان میں سے بہتر قریش میں سے بنایا پھر قریش کے چند خاندان کئے تو ہم کو ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنی ہاشم میں سے بنایا (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)دوسری روایت میں ہے کہ ہم خاتم النبین ہیں حضرت ابراھیم کی دعا ہیں حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا وہ دیدار ہیں جو انھوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ان سے ایک ایسا نور چمکا جس سے انھوں نے شام کے محلات بھی دیکھ لئے۔(ایضاً)

حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے۔حضور سید المرسلین ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا اسی دن میری ولادت بھی ہوئی اسی دن میں نے اعلان نبوت بھی کیا اور اسی دن مجھ پر وحی کی

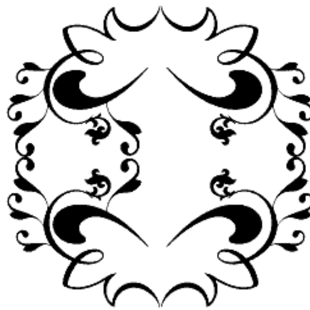
ابتدا بھی ہوئی۔(مشکوٰۃ کتاب الصوم)

معلوم ہوا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار منانا اور آپ کی ولادت طیبہ کی خوشی میں عبادت کرنا خود آپ کی بھی سنت ہے۔

اور علامہ ابن عابدین نے جو شامی کتاب الصوم نذر اموات کی بحث میں فرمایا کہ محفل میلاد النبی سب سے بدتر چیز ہے تو اس سے ان کی مراد وہ محفل میلاد النبی ہے جس میں گانا باجہ کھیل وتماشہ لغویات اور بےہودہ باتیں ہوتی ہوں کہ ان لغویات کے باوجود اسے محفل میلاد اور کار ثواب جاننا قبیح و مذموم ہے۔

چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔اور اس سے بھی بدتر چیز میناروں میں مولود پڑھنے کی نذر ماننا جبکہ اسمیں گانے اور کھیل کود ہوں اور اس کا ثواب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کیا جائے۔تو سر چشمۂ ہدایت کے وہابی مؤلف کا محفل میلاد النبی کو بدعت مذمومہ اور ناجائز کہنا ہٹ دھرمی کے سوا کچھ بھی نہیں۔





مشائخ کرام کی قبروں کو پختہ بنانے اوران کے قریب عمارت بنانے کا شرعی حکم

مشائخ کرام کی قبروں کو اوپر سے پختہ کرنا بھی جائز و مستحسن ہے کہ حدیث کی مشہور کتاب ''مشکوٰۃ'' کتاب الجنائز میں ہے:

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عثمان بن مظعون کو دفن فرما چکے تو ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا اور ارشاد فرمایا ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اس جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔ اور یہ پتھر قبر سے باہر نہ تھا بلکہ خود قبر کے سرہانے میں تھا۔

حضرت خارجہ فرماتے ہیں:

ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو عثمان بن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔ (بخاری کتاب الجنائز باب الجرید)

معلوم ہوا کہ کسی خاص قبر کا نشان باقی رکھنے کے لئے اس کو اونچا کرنا یا پختہ کرنا جائز ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اوران مزارات مقدسہ کے اردگرد یا اس کے قریب کوئی عمارت بنانا بھی جائز و مستحسن ہے جس کا ثبوت قرآن وحدیث کے علاوہ مسلمانوں کے عمل اور اقوال علماء سے بھی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ ۔

(سورہ کہف آیت ۲۱)

جب وہ لوگ ان کے معاملہ میں باہم جھگڑنے لگے تو بولے ان کے غار پر کوئی عمارت بناؤ ان کا رب انھیں خوب جانتا ہے وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔

اس کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی رقمطراز ہیں:

کچھ لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ اصحاب کہف پر ایسی دیوار بنائی جائے جو ان کی قبر کو گھیر لے تا کہ وہ لوگوں کے راستہ بنانے سے محفوظ ہو جائیں جیسے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کو چہار دیواری سے گھیر دیا گیا تھا لیکن لوگوں کا یہ مشورہ نامنظور ہو گیا اور قریب میں ایک مسجد بنا دی گئی تا کہ لوگ اس مسجد میں نماز پڑھیں اور اصحاب کہف سے برکت حاصل کریں۔ (تفسیر روح البیان)

تو قرآن حکیم نے اس آیت مقدسہ میں اصحاب کہف کے گرد کوئی عمارت بنانے اور ان کے قریب کوئی مسجد بنانے دونوں باتوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار نہیں فرمایا گیا ہے جو دلیل ہے کہ یہ دونوں کام جائز ہیں کیوں کہ اگر قرآن وحدیث میں ادیان سابقہ کے کسی بھی حکم کا ذکر آیا ہو اور اس سے انکار نہ فرمایا گیا ہو تو وہ ہم پر بھی نافذ ہوتا ہے۔

بلکہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ مقدسہ بھی صحابہ کرام کی مبارک جماعت نے بنائی تھی اور کسی نے بھی اس سے انکار نہ کیا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ بزرگوں کے مزارات کے گرد عمارت بنوانا جائز و مستحسن عمل ہے۔

حضرت عمرو بن دینار و عبید اللہ بن ابی زید سے روایت ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں آپ کے دولت کدے پر کوئی دیوار نہ تھی آپ کی وفات کے بعد سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے گرد (کچی اینٹوں کی) دیوار بنوائی پھر (۸۸ ہجری ولید بن عبد الملک کے زمانے

میں تمام صحابہ کرام کے سامنے)حضرت عبداللہ بن زبیر نے اس عمارت کونہایت مضبوط بنوایااوراس میں پتھر لگوائے (خلاصۃ الوفاباخبار دارالمصطفے)

حضرت عروہ سے روایت ہے۔ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارکہ کی ایک دیوار گرگئی تھی توصحابہ کرام اس کے بنانے میں مشغول ہوگئے کہ اسی درمیان ایک قدم ظاہر ہوا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ آقائے کائنات کا قدم ہے لیکن میں نے کہا اللہ کی قسم یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قدم نہیں ہے بلکہ حضرت عمر کا ہے۔ (بخاری ج ۱ کتاب الجنائز)

پھر ۵۰۵ھ میں جمال الدین اصفہانی نے علمائے کرام کی موجودگی میں اس دیوار کے اردگرد صندل کی لکڑی کی جالی بنوائی اور ۵۵۷ ہجری میں بادشاہ نورالدین زنگی نے روضہ منورہ کے آس پاس پانی تک زمین کھدواکراسے سیسہ (ایک قسم کی دھات) پگھلا کر بھروا دیا جس سے روضہ منورہ کافی مضبوط و مستحکم ہوگیا پھر ۶۷۸ ہجری میں سلطان قلاؤں صالحی نے گنبد خضریٰ بنوایا جواب تک موجود ہے(جذب القلوب)

انھیں دلائل کی بنیاد پر فقہائے کرام نے قبروں کے اردگرد عمارت بنانے پر جائز و مستحسن ہونے کا حکم نافذ فرمایا ہے۔

علامہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں۔کہا گیا ہے کہ میت اگر علماء و مشائخ اور سادات کرام میں سے ہوتو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں۔ (شامی ج ا باب الدفن)

درمختار باب الدفن میں ہے۔قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی قول پسندیدہ ہے طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۳۳۵ پر ہے۔مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں تا کہ وہ مٹنے اور اکھڑنے سے محفوظ رہیں لیکن قبر کو نہ پختہ کیا جائے نہ اس پر عمارت بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے اور یہی قول مختار ہے۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ پہلے کے علماء نے مشائخ کی قبروں پر

عمارت بنانے کو جائز فرمایا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔(مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

علامہ اسماعیل حقی رقمطراز ہیں۔علماء و اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہ میں ان کی عظمت پیدا کرنا ہوتا کہ لوگ انھیں حقیر نہ جانیں۔(روح البیان ج ۳ زیر آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَاللّٰہِ)

اور میزان کبریٰ ج ۱ کتاب الجنائز میں ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ نے بھی ان کاموں پر جواز کا حکم نافذ فرمایا ہے۔

تو اس واضح حقیقت کے باوجود بدمذہبوں کا غلط حوالوں کی بنیاد پر ان کاموں کے ناجائز ہونے کا حکم لگانا صریح جہالت ہے۔وہ اپنے اس فاسد خیال کے ثبوت میں ان احادیث مبارکہ کو دلیل بناتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ کسی قبر کی طرف نماز پڑھو اور نہ کسی قبر کے اوپر نماز پڑھو۔(معجم کبیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔(بخاری و مسلم)

حالانکہ ان احادیث مبارکہ سے مزارات کے اردگرد عمارت بنانے کی نفی ہرگز نہیں ہوتی بلکہ ان کا صریح مطلب تو یہی ہے کہ نہ قبروں کی عبادت کرنا اور نہ ان کو قبلہ بنا کر ان کی طرف سجدہ کرنا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں چوں کہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کیا کرتے ان کو قبلہ بنا کر ان کی طرف نماز بھی پڑھا کرتے گویا کہ انھوں نے ان قبور کو بت بنا رکھا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فعل پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمادیا(فتح الباری شرح بخاری)

☆☆☆

انبیاءواولیاءسے استعانت وتوسل

وسیلہ اس عمل یاذات کو کہتے ہیں جس کے ذریعے خدائے تعالیٰ کاقرب حاصل کیاجائے (تفسیرکشاف زیرآیت وابتغواالیہ الوسیلۃ)

توسل کے دوطریقے رائج ہیں ایک یہ کہ بندہ عرض کرتا ہے کہ مولیٰ مجھے انبیائے کرام واولیائے عظام کے وسیلے سے صحت وسلامتی اوررزق وغیرہ سے نوازدے۔

دوسرا یہ کہ وہ بندہ اولیائے کرام ہی کی بارگاہ میں عرض گزارہوتا ہے کہ حضرت مجھے فلاں پریشانی سے نجات دے دیجئے تو یہ طریقہ بھی جائز ہے کیوں کہ اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ آپ رب کائنات کے محبوب بندے ہیں اس لئے رب کائنات سے آپ میری اس پریشانی کو دورکروادیجئے اوراس کی عطاواجازت سے مجھے اس سے نجات بخش دیجئے اس کا یہ مطلب ہرگزنہیں ہوتا کہ انبیاءواولیاءمستقل وبالذات قادرہیں۔

تواعمال صالحہ کی طرح بزرگان دین کی ذوات مقدسہ کوبھی رب کائنات کی بارگاہ میں وسیلہ بنانااوران سے مدد مانگنا جائزومحموداورمستحسن کام ہے خواہ یہ توسل واستعانت ان کی حیات ظاہری میں ہویابعدوفات۔

ارشادباری تعالیٰ ہے۔وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ ۔(پارہ۶ سورہ مائدہ آیت۳۵)

اوراس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو یہ آیت مقدسہ مطلق ہے توجس طرح رب کائنات کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کووسیلہ بنانا جائزہے اسی طرح بزرگان دین کی ذوات مقدسہ کوبھی وسیلہ بنانا جائزہوگا خواہ یہ وسیلہ قبل وفات لیاجائے یابعدوفات۔

اوراگراس آیت مقدسہ میں وسیلہ کواعمال صالحہ کے ساتھ خاص کربھی دیاجائے

جب بھی اعمال صالحہ پر قیاس کرتے ہوئے انبیاء واولیاء کو وسیلہ بنانے کا جواز بھی ثابت ہوگا کیوں کہ اعمال صالحہ جن کی قبولیت کا ہمیں یقین نہیں جب ان کو وسیلہ بنانا جائز ہے تو انبیاء واولیاء جن کی بارگاہ خداوندی میں قبولیت کا ہمیں پورا یقین ہے ان کو وسیلہ بنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ ۔(سورۂ آل عمران آیت ۵۲)

بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف حواریوں نے کہا ہم دین خدا کے مددگار ہیں۔یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلایا اور انھیں یقین ہوگیا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی بشارت توریت کے اندر دی گئی ہے اور یہ ہمارے دین کو منسوخ کردیں گے تو وہ آپ کے دشمن بن گئے اور آپ کے ایذاء وقتل کے درپے ہوگئے اس وقت آپ نے اپنے مخلصین کو جو بارہ اشخاص پر مشتمل تھے مدد کے لئے پکارا۔

غور فرمایئے کہ اگر غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے یہ جلیل القدر پیغمبر اپنے حواریوں سے ہرگز مدد نہ مانگے ہوتے اور نہ رب کائنات اس کی تائید فرمایا ہوتا۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرَ اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوْا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْماً ۔(سورہ نساء آیت ۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

دیکھئے اگر رب کائنات چاہتا تو بغیر کسی توسل کے بھی ان لوگوں کی بخشش فرمادیتا لیکن ایسا نہیں کیا بلکہ ارشاد ہوا کہ اے نبی وہ تیرے پاس حاضر ہوں اور تو اللہ سے ان کے لئے بخشش چاہے تب یہ لوگ اس دولت ونعمت سے نوازے جائیں گے۔

حضرت عثمان بن حنیف سے روایت ہے۔ایک نابینا شخص بارگاہ رسول میں حاضر

ہوکرعرض گزار ہوا کہ یارسول اللہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادیں کہ وہ مجھے آنکھ والا بنادے اس پرحضور علیہ السلام نے فرمایا اگرتو چاہےتو میں تیرے لئے دعا کروں اوراگر تو چاہےتوصبر کرے اورصبر ہی تیرے لئے بہتر ہے اس نے عرض کیا یارسول اللہ دعا ہی فرمادیں توحضور علیہ السلام نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو بنا کر دو رکعت نماز پڑھو اس کے بعد یہ دعا کرو۔

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں اور یارسول اللہ میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں تا کہ وہ اسے پوری فرمادے۔

اے اللہ میرے بارے میں حضور کی شفاعت قبول فرما (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۷) پھر آپ کے فرمان کے مطابق وہ شخص دعا کرکے جب کھڑا ہواتو آنکھ والا ہوگیا۔

حضرت ربیعہ بن کعب سے روایت ہے۔حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن مجھ سے فرمایا اے ربیعہ مانگ توکیا مانگتا ہے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں درخواست کرتا ہوں کہ جنت میں حضور کی رفاقت عطا ہو، سرکار نے فرمایا کچھ اور بھی مانگتا ہے میں نے عرض کیا نہیں میری مُراد تو بس یہی ہے ۔سرکار نے فرمایا اے ربیعہ تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے (مشکوٰۃ باب السجود) غیر اللہ سے مدد مانگنا اگر شرک ہوتا توحضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ربیعہ کو یہ حکم کیوں دیتے کہ تو مجھ سے جو چاہے وہ مانگ۔

علاوہ ازیں اس میں حضور نے اَعِنّی فرمایا جس کا معنی ہے تو میری اعانت کر اور اسی کو تو استعانت کہتے ہیں۔

لیکن بدمذہب انبیاء واولیاء سے توسل واستعانت کی نفی پر اس آیت کریمہ کو دلیل بناتے ہیں۔

وایّا ک نستعینُ ۔اور ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔جبکہ اس آیت کریمہ میں غیر اللہ سے اس استعانت کی نفی کی گئی ہے جو قادر بالذات اور مستقل مان کر کی جائے ورنہ اگر اس میں مطلق استعانت کی نفی مراد ہوتی ہے تو پھر یہ قرآن حکیم کی بہت سی آیات کریمہ اور احادیث طیبہ سے متصادم ہو جاتی ۔اور بدعقیدے جب انبیاء واولیاء سے توسل واستعانت پر دلائل قائم کرنے سے عاجز رہ جاتے ہیں تو پھر بعد وفات کی بھی قید لگادیتے ہیں کہ بعد وفات ان سے توسل واستعانت شرک ہے جس پر اس حدیث پاک کو دلیل بناتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر فاروق حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے کہ الٰہی جب ہم تیری طرف اپنے نبی کو وسیلہ بناتے تو بارش ہو جایا کرتی اب ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں کہ ہمیں سیراب فرما تو بارش ہو جایا کرتی (بخاری ج ا ص ۱۳۷)

حالانکہ اس حدیث پاک سے بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ بعد وفات حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا توسل جائز نہیں۔

بلکہ ہوسکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس لئے وسیلہ بنایا ہوتا کہ کسی کو یہ وھم نہ ہو جائے کہ غیر نبی کو وسیلہ بنانا جائز نہیں یا یہ بتانا مقصود ہو کہ افضل کو ہوتے ہوئے مفضول سے بھی توسل ہوسکتا ہے یا یہ مقصد ہو کہ افضل بھی مفضول کو وسیلہ بنا سکتا ہے کہ حضرت عمر بالاتفاق حضرت عباس سے افضل ہیں اس کے باوجود آپ نے حضرت عباس کو وسیلہ بنایا۔

علاوہ ازیں بعد وفات بھی توسل واستعانت کے جواز پر بہت سی احادیث کریمہ صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔

حضرت مالک الدار سے روایت ہے۔حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑا تو ایک صحابی رسول حضرت بلال بن حارث مزنی نے مزار اقدس کے قریب حاضر ہوکر یوں عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے پانی طلب کیجئے کہ وہ ہلاک ہونے والی ہے تو آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خواب میں تشریف فرما ہوکر ارشاد فرمایا عمر کو میرا اسلام کہو، اور لوگوں کو خبر دو کہ جلد پانی برسنے والا ہے۔ (بیہقی، ابن ابی شیبہ)

امام قسطلانی نے مواہب میں فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ یہاں تک کہ حضور کے روضہ اطہر سے بھی توسل جائز ہے۔

حضرت ابوجوزاء سے روایت ہے۔ ایک مرتبہ مدینہ شریف میں سخت قحط پڑا تو لوگوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس بات کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل چھت میں آسمان کی طرف سوراخ کردو کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے پس انھوں نے ایسا ہی کیا تو اتنی زور کی بارش ہوئی کہ سبزہ خوب اُگا اور اونٹ فربہ ہوگئے یہاں تک کہ چربی کی زیادتی کی وجہ سے ان کے جسم پھٹ گئے اور اس سال کا نام ہی عام الفتق (مویشی کے موٹاپے کا سال) رکھ دیا گیا۔ (مشکوٰۃ ص ۵۴۵)





انگوٹھے چومنے کا حکم

اذان واقامت میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے یا شہادت کی انگلیوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانا جائز ومستحسن ہے۔

کیوں کہ انگوٹھا چومنے کے جواز پر اگر کوئی دلیل نہ بھی ہوتی جب بھی شریعت مطہرہ میں اس سے نہ روکا جانا ہی اس کے جواز کے لئے کافی تھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حلال وہ ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس کا کوئی ذکر نہ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہے۔(یعنی اس کے کرنے پر کوئی مواخذہ نہیں)(مشکوۃ باب آداب طعام ص ۳۶۷)

لیکن یہاں تو اس کے جواز واستحسان پر دلائل کثیرہ قائم ہیں۔امام سخاوی رقمطراز ہیں۔

دیلمی نے فردوس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب مؤذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ سنا تو آپ نے بھی یہی فرمایا اور شہادت کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اس پر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

اور یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچ سکی جسے محدثین اپنی اصلاح میں درجۂ صحت کہتے ہیں۔(مقاصد حسنہ فی الاحادیث الدائرہ علی السنۃ)اسی میں ہے حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص مؤذن کو اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے ہوئے سنے

تو اس کے جواب میں کہے مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَ قُرَّۃِ عَیْنِیْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللہِ پھر اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگا لے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

اسی میں ہے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشھد ان محمدً ا رسول اللہ سن کر کہے مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَ قُرَّۃِ عَیْنِیْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لے تو وہ کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دکھیں گی۔

معلوم ہوا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کو سن کر انگوٹھے کو چومنا شریعت مطہرہ کو محبوب و مطلوب ہے۔

دوسری بات یہ کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کو سن کر سلف سے خلف تک انگوٹھے یا انگشتہائے شہادت کو چومنے کا جو رواج عام ہے تو وہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر ہی کے لئے ہے کہ آپ کی مطلق تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ۔ (سورہ فتح آیت ۹)

تا کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔

اور مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے جب تک کہ کسی خاص فرد سے منع شرعی ثابت نہ ہو جائے۔

اور ادب و تعظیم کے امور میں عرف عام کا مکمل لحاظ ہوتا ہے کہ جو بات عرف میں ادب و تعظیم شمار کی جاتی ہے اسی میں تعظیم و توقیر ہوتی ہے۔

تو عرف میں جو چیز بھی جس طرح بھی جس وقت بھی جس جگہ بھی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے لئے عمل میں لائی جائے وہ چیز ضرور مندوب و مستحسن ہوگی، خواہ تعظیم کی وہ خاص صورت منقول ہو یا نہ ہو جب تک اس خاص صورت سے منع نہ کیا گیا ہو۔

لیکن بدعقیدے انگوٹھے چومنے کے بارے میں وارد ہونے والی تمام احادیث کریمہ کو ضعیف کہتے ہیں اس عمل خیر پر ناجائز و بدعت ہونے کا حکم لگاتے ہیں وہ اپنے

اس دعوے پر ملا علی قاری کے اس قول کو دلیل بناتے ہیں۔ کُلّ مایُروی فی ھٰذا فلایَصِحُ رفعُہٗ۔(موضوعات کبیر)

اس بارے میں کوئی بھی مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے۔حالانکہ اس میں حدیث مرفوع کی صحت کا انکار کیا گیا ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ اسی عبارت کے بعد ہے۔عمل کے لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی اس فعل کا ثبوت کافی ہے کیوں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میں تم پر اپنی اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم کرتا ہوں۔

تو حضرت صدیق اکبر سے کسی چیز کا ثبوت بعینہٖ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثبوت ہے اگر چہ حدیث مرفوع خصوصیت کے ساتھ درجۂ صحت تک نہ پہنچی ہو۔

دوسری بات یہ کہ کسی حدیث کے بارے میں محدثین کرام کو یہ فرمانے سے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کا غلط و باطل ہونا لازم نہیں آتا۔

بلکہ مطلب یہ ہوتا کہ صحیح جو کہ حدیث کی ایک اعلیٰ قسم ہے اور جس کے شرائط بہت دشوار ہیں یہ حدیث اس درجہ کو نہیں پہنچ سکی ہے بلکہ یہ اس سے کم درجے پر ہے اور اس سے کم درجے والی حدیث کو حسن کہا جاتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ اگر چہ صحیح نہ ہو لیکن حسن ہو تو صحیح نہ ہونے کے باوجود اس میں کوئی قباحت نہ ہوگی ورنہ وہ حسن نہ کہلاتی۔

امام حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں۔امام ترمذی کا یہ فرمانا کہ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ بھی صحیح نہیں حسن اور اس کے مثل کی نفی نہیں کرتا تو ہوسکتا ہے کہ اگر چہ وہ حدیث صحیح نہ ہو لیکن حسن ہو اور مقصود کا ثبوت صحیح پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ حسن سے بھی مقصود ثابت ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس حدیث پاک کو ضعیف بھی مان لیا جائے تب بھی فرق نہیں پڑے گا کہ چند اسناد سے مروی ہونے پر حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔

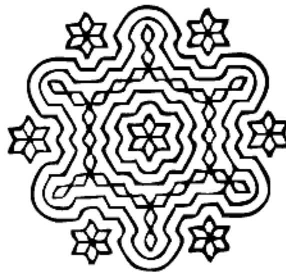
ملا علی قاری فرماتے ہیں۔تَعَدُّدُ الطُّرقِ یَبلُغُ الحَدِیثَ الضَعِیفَ اِلٰی

حَدِّ الْحَسَنِ۔ (مرقات اخر الفصل الثانی باب مالا یجوز من العمل فی الصلوۃ) حدیث ضعیف کا متعدد اسناد سے آنا اس کو درجۂ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔ اور انگوٹھے چومنے والی حدیث بھی متعدد طرق سے روایت ہے تو یہ بھی حسن ہوگی۔ اور اہل علم کو قبول کر لینے سے بھی ضعیف حدیث قوی ہوجاتی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ تلقین میت کی حدیث قوی الاسناد تونہیں مگر اہل شام کے عمل اور دیگر شواہد سے وہ قوی ہوگئی ہے۔ (کتاب الاذکار باب تلقین المیت)

اور انگوٹھے چومنے والی حدیث پر بھی امت کا عمل ہے تو یہ بھی قوی ہوئی علاوہ ازیں فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی معتبر ہوتی ہے۔ امام نووی اربعین میں اور ملا علی قاری مرقات میں بین حفظ علٰی امتی اربعین حدیثا کے تحت رقمطراز ہیں۔

بے شک حفاظ حدیث وعلمائے دین کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی عمل جائز ہے۔





نماز میں امام کے پیچھے قرأت کا حکم

امام کے پیچھے مقتدی کا قرأت کرنا ناجائز ہے لیکن غیر مقلدین مقتدی کے لئے بھی سورہ فاتحہ پڑھنے کو فرض جانتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔اِذا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْ الَهٗ وَ انْصِتُوْ الَعَلَکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔(سورہ اعراف آیت ۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

واضح ہو کہ ابتداء اسلام میں نماز کے اندر دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی کے لئے قرأت بھی لیکن بعد میں ان دونوں عملوں سے روک دیا گیا بات چیت تو اس آیت کریمہ سے منسوخ ہوئی۔وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ۔(سورہ بقرہ آیت ۲۳۸)

اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے: ہم لوگ نماز میں باتیں کرتے اور ہر ایک اپنے ساتھی سے گفتگو کر لیا کرتا ہے یہاں تک کہ جب آیت کریمہ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ۔نازل ہوئی تو اس میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور ہم بات چیت سے روک دیئے گئے۔(بخاری و مسلم)

اس آیت مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد لوگ دنیاوی بات چیت سے تو رک گئے لیکن مقتدی اب بھی تلاوت قرآن کرتے رہے تو آیت مبارکہ اِذاقُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْ الَهٗ وَ انْصِتُوْ الَعَلَکُمْ تُرْحَمُوْنَ نازل فرما کر مقتدی کو تلاوت قرآن سے بھی روک دیا۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے تحت ہے۔عام صحابہ کے نزدیک یہ آیت مبارکہ

مقتدی کوامام کی قرأت سننے کے بارے میں ہے۔

اورتفسیر خازن میں ہے۔جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کوامام کے ساتھ قرآن پڑھتے ہوئے سناتوفرمایا کیاابھی تک وقت نہیں آیا کہ تم آیت کریمہ اِذاقُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْالَہٗ وَاَنْصِتُوْالَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ کو سمجھو۔

جب ان تفاسیر میں صراحت کے ساتھ یہ بات مرقوم ہے کہ یہ آیت مبارکہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے سے روکنے کے لئے ہےتو پھر یہ کہنا سرچشمۂ ہدایت کے وہابی مؤلف کی جہالت ہی ہوسکتی ہے کہ کسی تفسیر، کسی صحیح، یاضعیف روایت میں صراحتاً نہیں آیا کہ یہ آیت کریمہ مقتدی کوالحمد پڑھنے سے منع کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اورغیر مقلدوں کا یہ کہنا بھی باطل ہے کہ اس آیت مبارکہ میں قرآن سے مراد خطبۂ جمعہ ہےجس میں خاموش رہنے کاحکم دیا گیا ہے کیوں کہ یہ آیت مکیہ ہے جب کہ جمعہ کی نماز اور خطبہ بعد ہجرت مدینہ شریف میں مشروع ہوئے۔

اوران کا یہ کہنا کہ یہ آیت کریمہ مکہ شریف میں اس وقت نال ہوئی جب کہ نماز باجماعت کا سلسلہ ہی نہ تھاتواس آیت سے وہ کافر مخاطب ہیں جو تلاوت قرآن کے وقت شور کرتے اوراپنے ساتھیوں کوورغلاتے کہ قرآن مت سنواورشور کروتو جب اس آیت کے نزول کے وقت نماز باجماعت کا وجود ہی نہ تھا تو پھر یہ مقتدی کوسورۂ فاتحہ پڑھنے سے روکنے کے لئے کیسے ہوسکتی ہےتو یہ بھی باطل ہے کیوں کہ مکہ شریف میں پہلی وحی کے بعد ہی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے باجماعت نماز شروع فرمادی تھی۔

سیرت ابن اسحاق میں ہے۔پھر جبریل آپ کے ساتھ کھڑے ہوکرآپ کونماز پڑھائی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبریل کی نماز کے مطابق نماز پڑھی یہاں تک کہ آپ نے حضرت خدیجہ کوبھی ویسے ہی نماز پڑھائی جس طرح جبرئیل نے آپ کوپڑھائی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔جب جنات ابتدائے وحی کے زمانہ میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر

ہوئے تو اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے
۔(بخاری ج ۲ ص ۲۳۲۷)

امام زرقانی فرماتے ہیں کہ نماز صبح سے مراد وہ رکعتیں ہیں جسے حضور طلوع آفتاب سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

حدیث شریف میں ہے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام جب حضور سید المرسلین ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر آئے تو انھوں نے آپ کو ظہر کی نماز پڑھائی اور آپ نے لوگوں کو پڑھائی جس وقت کہ سورج زائل ہو چکا تھا پھر عصر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ ان کے برابر تھا پھر جبرئیل دوسرے دن بھی آئے اور انھوں نے نبی ﷺ کو اور نبی ﷺ نے لوگوں کو ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ ان کے برابر ہو گیا تھا۔(مُصنّف للاّمام عبد الرزّاق باب المواقیت)

اس حدیث پاک میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے دن عصر کی نماز کے بارے میں بھی ہے کہ اس وقت پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ ان کے برابر تھا اور دوسرے دن کے ظہر کے بارے میں بھی یہی ہے تو امام ابو جعفر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ دوسرے دن ظہر میں سایہ کو ایک مثل ہونے سے مراد ہے سایہ کا ایک مثل کے قریب ہونا (معانی الاثار باب مواقیت الصلوۃ)

اور اس آیت مبارکہ میں کفار سے خطاب کیسے ہو سکتا ہے جبکہ بغیر ایمان لائے کوئی بھی عبادت واجب نہیں ہوتی اور قرآن سننا بھی عبادت ہے تو یہ ان پر واجب کیسے ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے۔حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔(نسائی شریف)

اور یہ حدیث صحیح ہے کہ ابو بکر نے سلیمان سے اس حدیث کے بارے میں جب

پوچھا تو فرمایا بالکل صحیح ہے۔ (بخاری باب التشھد)

حضرت جابر سے روایت ہے۔ جو کوئی نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو (یعنی امام کے پیچھے نہ پڑھے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ترمذی)

انھیں سے روایت ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی بھی تلاوت ہے۔ (مؤطا امام محمد)

محمد بن منیع اور ابن ھمام نے فرمایا کہ امام مسلم و بخاری کی شرط پر اس کی اسناد صحیح ہے۔

اور مؤطا شریف کی جو ایک روایت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک نماز میں جہر کے ساتھ قرأت فرمارہے تھے کہ پیچھے سے ایک شخص نے بلند آواز سے تلاوت شروع کردی نماز سے فراغت کے بعد آپ نے اس پر ناراضگی ظاہر فرمائی تو صحابۂ کرام جہری نماز میں تلاوت سے رُک گئے۔

تو اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ صرف جہری نماز ہی میں امام کے پیچھے قرأت ناجائز ہے۔ کیوں کہ صحابہ کرام کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا نہ کہ حضور کے حکم سے دیکھئے مؤطا شریف ہی کی ایک اور روایت ہے ۔حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے زور سے قرأت شروع کردی اس پر بغل سے ایک آدمی نے اسے اشارہ کیا نماز سے فراغت کے بعد اس نے اشارہ کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم امامت فرمارہے تھے تو میں نے ناپسند جانا کہ تو ان کے پیچھے قرأت کرے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ گفتگو سن لی تو فرمایا جس کے لئے امام ہو تو امام کی قرأت اس کے لئے بھی قرأت ہے۔

ان تمام روایات سے یہ حقیقت خوب واضح ہوگئی کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے تلاوت قرآن جائز نہیں جبکہ غیر مقلدین اسے فرض جانتے ہیں وہ اپنے اس قول پر حضرت عبادہ بن صامت کی روایت کردہ اس حدیث پاک سے بھی دلیل لاتے ہیں۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہم صحابہ سے پوچھا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو تو ہم نے عرض کیا ہاں تو آپ نے فرمایا سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو۔ (ترمذی)

تو اس کو دلیل بنانا بھی درست نہیں کیوں کہ یہ حدیث نص قرآنی کے خلاف ہے کہ قرآن میں تلاوت کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے جبکہ اس میں مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا۔

دوسری بات یہ کہ اس حدیث سے امام کے پیچھے قرأت کا جواز معلوم ہوتا ہے جبکہ ہماری پیش کردہ حدیث سے عدم جواز کا حکم ملتا ہے اور جواز و عدم جواز میں اگر ٹکراؤ ہو تو عدم جواز پر عمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود قرآن حکیم نے غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا ہے لیکن چوں کہ دوسری نص میں اس کو حرام کر دیا گیا ہے اس لئے اسی پر عمل ہے۔

تیسری بات یہ کہ یہ حدیث پاک حسن ہے صحیح نہیں۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو لکھنے کے بعد خود بھی فرمایا ہے کہ زیادہ صحیح وہ حدیث ہے جس میں امام کے پیچھے قرأت کا ذکر نہیں ہے۔

تو صحیح حدیث کو چھوڑ کر حسن پر عمل کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

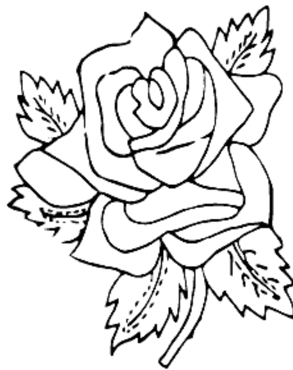
چوتھی بات یہ ہے کہ غیر مقلدین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر مقتدی امام کو رکوع میں پالے تو وہ رکعت اس کو مل جائیگی تو اگر مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا جیسا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں تو پھر ایسے شخص کی نماز کیسے ہوتی۔

وہ مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کی فرضیت پر بخاری شریف کی اس حدیث پاک کو بھی دلیل دیتے ہیں کہ ارشاد نبوی ہے۔ لَا صَلوٰۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اس کی نماز نہیں ہوئی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔

تو اس حدیث کو دلیل بنانا بھی درست نہیں کہ یہی حدیث مسلم شریف میں اس طرح ہے۔ لَا صَلوٰۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَ السُّوْرَۃِ۔ نماز نہیں ہوتی مگر سورۂ فاتحہ

اور ایک سورہ سے۔تو اگر اس حدیث کی بنا پر سورہ فاتحہ پڑھنے کو فرض مان لیا جائے تو پھر سورہ کا ملانا بھی فرض ہو جائے گا جبکہ ایسا نہیں۔تو اب اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہوگا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے اس لئے کہ جب کوئی وفد شاہی دربار میں حاضر ہوتا ہے تو دربار کے آداب تو سارے لوگ ادا کرتے ہیں ۔لیکن عرض معروض صرف امیر وفد ہی کرتا ہے اسی طرح نماز جو کہ احکم الحاکمین کی بارگاہ ہے جب لوگ یہاں جماعت کی شکل میں حاضر ہوں تو تکبیر و تسبیح و تشہد وغیرہ کا ورد تو سارے لوگ کریں گے کہ یہ اس دربار عالی کے آداب ہیں مگر تلاوت قرآن صرف جماعت کا نمائندہ اور امام ہی کرے گا کہ تلاوت بارگاہ ایزدی میں عرض معروض ہے۔





نماز میں رفع یدین کی شرعی حیثیت

وہابی غیر مقلد نماز میں رفع یدین یعنی رکوع کو جاتے اور اٹھنے وقت دونوں ہاتھوں کو اٹھانے پر بڑا زور دیتے ہیں اور عوام کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت سے ہمارے بنیادی اختلافات اسی طرح کے اعمال میں ہیں جبکہ اہل سنت و جماعت اور وہابی کے درمیان بنیادی اختلاف عقائد کا ہے کہ ان کے پیشواؤں نے اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی شان مقدس میں گستاخیاں کرکے مذہب اسلام کے خلاف اپنے عقائد و نظریات پیش کئے ہیں۔ اور رفع یدین والا اختلاف زیادہ اہمیت بھی نہیں رکھتا کہ ایک تو یہ اختلاف فرعی ہے علاوہ ازیں اہل سنت کا بعض طبقہ مثلاً شوافع حضرات بھی رفع یدین کیا کرتے ہیں پھر بھی وہ اس جیسے اختلافات کو اُچھال کر ذرہ بھر بھی نہیں شرماتے اس لئے اس اختلاف کی وضاحت ملاحظہ کیجئے تاکہ حقانیت واضح ہوجائے۔

وہابی غیر مقلد رفع یدین کے ثبوت میں ان احادیث طیبہ کو دلیل بناتے ہیں

امام زہری سالم سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد گرامی سے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کو جاتے وقت اور اُٹھتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں مونڈھوں تک اُٹھاتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو ہاتھ مبارک کاندھوں تک اُٹھاتے اور

جب رکوع کیلئے تکبیر فرماتے یا رکوع سے سر اُٹھاتے تب بھی ایسا ہی کرتے۔(بخاری ومسلم)

محمد بن عمرو بن عطا سے روایت ہے کہ میں نے دس صحابۂ کرام کی جماعت میں ابوحمید ساعدی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نبی کریم ﷺ کی نماز کو تم لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں تو موجود صحابۂ کرام نے فرمایا تم ہم سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز سے کیسے واقف ہو گئے جبکہ نہ تم ہم سے زیادہ حضور کے ساتھ رہے اور نہ تم ہم سے پہلے صحابی بنے تو ابوحمید بولے بے شک ایسا ہی ہے تو صحابۂ کرام نے فرمایا کہ تم اس حدیث کو ظاہر فرمادو تا کہ معلوم ہوجائے کہ تم ہم لوگوں سے زیادہ حضور کی نماز کو جانتے ہو۔اس پر ابوحمید ساعدی نے کہا حضور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو کاندھوں تک اُٹھا کر تکبیر کہتے قرأت کے بعد پھر تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کاندھوں تک اٹھاتے ہوئے رکوع کرتے پھر سمع اللہ لمن حمدہٗ کہتے ہوئے رکوع سے سر اُٹھاتے اوردونوں ہاتھوں کو کاندھوں تک لے جاتے۔(ابوداؤد)

تو غیر مقلدین کے لئے یہ احادیث کریمہ رکوع میں جاتے وقت اوررکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کے ثبوت میں دلیل ہیں۔لیکن احناف اہل سنت جو رفع یدین کو خلاف سنت اور ممنوع جانتے ہیں اپنے قول کی تائید میں ان احادیث کریمہ کو پیش کرتے ہیں۔

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک مرتبہ فرمایا کہ کیا میں تمہارے سامنے حضور سید المرسلین ﷺ کی نماز نہ پڑھوں پھر آپ نے نماز پڑھی تو اس میں آپ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں بھی ہاتھ نہ اُٹھایا۔(ترمذی)

امام ترمذی نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ حدیث حسن ہے اور رفع یدین نہ کرنے پر بہت علمائے تابعین کا عمل رہا ہے۔اور ابن حزم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ہی سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف پہلی تکبیر میں ہاتھ اُٹھاتے تھے اور پھر کبھی نہ اُٹھاتے تھے۔(طحاوی) امام ترمذی نے اس حدیث کوبھی حسن کہا ہے (حاشیۂ طحاوی) حضرت اسود سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پہلی تکبیر میں اپنے ہاتھوں کواُٹھاتے اور پھر کبھی نہیں اُٹھاتے (طحاوی)

اس حدیث پاک کوامام طحاوی نے صحیح کہا ہے۔حضرت عاصم بن کلیب کے باپ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اُٹھاتے اور پھر کبھی نہ اُٹھاتے ۔(طحاوی)

امام ابن حجر نے کہا کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں امام زیلعی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور عینی نے عمدۃ القاری میں کہا کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔(حاشیۂ آثار السنن)

مذکورہ روایات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دونوں طرح کا عمل ثابت ہے۔

لیکن احادیث طیبہ دلالت کرتی ہیں کہ رفع یدین والا عمل ابتدائے اسلام میں تھا جو بعد میں منسوخ کردیا گیا کیوں کہ رفع یدین والی کسی بھی حدیث میں مذکور نہیں کہ حضور کا یہ عمل آخری وقت تک کے لئے تھا جبکہ دوسری احادیث مبارکہ سے یہ بات خوب واضح ہوجاتی ہے کہ رفع یدین والا حضور کا یہ عمل ابتدائی تھا جسے بعد میں چھوڑ کر آپ نے آخری وقت تک رفع یدین نہ کرنے پر عمل فرمایا۔

عینی شرح بخاری میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور اس سے اُٹھتے وقت ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ایسا نہ کرو کیوں کہ یہ وہ کام ہے جسے حضور نے پہلے کیا پھر چھوڑ دیا۔

رفع یدین والی حدیث کے ایک راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی خود عمل یہی تھا کہ آپ رفع یدین نہیں فرماتے۔

طحاوی اور ابن شیبہ میں حضرت مجاہد سے روایت ہے:

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے پہلی تکبیر کے سوا کسی بھی وقت ہاتھ نہ اٹھایا

آثار السنن میں ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اور جب خود راوی کا اپنا عمل اپنی ہی روایت کے خلاف ہو تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک بھی منسوخ ہے۔

اور بخاری شریف میں جو ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے جب **سمع اللہ لمن حمدہ** کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور اس فعل کو آپ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مرفوع فرماتے۔

تو حضرت عبداللہ بن عمر کے رفع یدین نہ کرنے والی روایت اس حدیث پاک کے معارض بھی نہ ہوگی کیوں کہ جب ان سے دونوں طرح کے فعل منقول ہیں تو اب ان کا مطلب یہی ہوگا کہ نسخ کی خبر ملنے سے پہلے آپ رفع یدین کرتے تھے اور نسخ کی خبر ملنے کے بعد ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

اور حضرت مغیرہ کی روایت کردہ یہ حدیث پاک بھی رفع یدین والی احادیث کریمہ کو منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے:

وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے حضرت ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت

وائل نے تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع نماز میں اور رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک مرتبہ رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (طحاوی)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کو حضرت ابراہیم نخعی کے ان بیانات سے اور بھی تقویت مل جاتی ہے:

حضرت وائل بن حجر جو دیہات کے رہنے والے تھے وہ اسلام کے احکام سے پورے طور پر واقف نہ تھے اور وہ حضور کے ساتھ صرف ایک ہی نماز پڑھ سکے تھے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود احکام اسلام سے خبر دار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے اور حضور کے سفر وحضر کے ساتھی تھے انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھی تھیں بے شمار لوگوں نے مجھے ان سے روایت کی کہ آپ صرف شروع نماز ہی میں ہاتھ اٹھاتے اور اس عمل کو آپ حضور سے نقل فرماتے۔ (مسند امام اعظم)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس روایت کو ان باتوں سے اور بھی تقویت مل جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے رفع یدین نہ کرنے والی حدیث کو صحابہ کرام کے مجمع میں بیان فرمایا تھا تو اگر حضور کریم صلّی اللہ تعالی علیہ وسلم کو رفع یدین نہ کرنے والی بات صحیح نہ ہوتی اور ان صحابہ کو معلوم نہ ہو گیا ہوتا کہ رفع یدین کا حکم منسوخ ہو چکا ہے تو یہ حضرات حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس روایت کا ضرور انکار فرما دیئے ہوتے جبکہ انہوں نے ایسا نہ کیا۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت سے علماء صحابہ اور تابعین رفع یدین نہ کرتے

تھے۔اوردار قطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود ہی سے روایت ہے:

میں نے حضور صلّی اللہ تعالی علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق وحضرت عمر فاروق کے ساتھ نمازیں پڑھیں تو یہ حضرات شروع نماز میں پہلی تکبیر کے سوا،اور کسی بھی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

تو بتایا جائے کہ رفع یدین کا حکم اگر منسوخ نہ ہوا ہوتا تو یہ بزرگ اسے ہرگز نہ چھوڑے ہوتے اور عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیوں کہ رکوع کی تکبیر تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں ہے بلکہ سجدہ کی تکبیر کی طرح ہے اس لئے کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جبکہ رکوع وسجدے کی تکبیریں سنت ہیں تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک بار ہوتی ہے جبکہ رکوع وسجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے جبکہ رکوع و سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔

تو جب رکوع کی تکبیر تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں ہے بلکہ سجدے کی تکبیر کی طرح ہے اس لئے رکوع کی تکبیر کی وہی حالت ہوگی جو سجدے کی تکبیر کی ہے اور چوں کہ سجدے کی تکبیر میں ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا تو رکوع کی تکبیر میں بھی ہاتھ نہیں اٹھایا جائیگا۔

لیکن وہابیوں کا مکر وفریب تو دیکھئے کہ سر چشمہ ھدایت کے وہابی مؤلف نے رفع یدین کے ثبوت میں ھدایہ اور شرح وقایہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

رفع یدین کی حدیثیں بہ نسبت ترک رفع یدین سے قوی ہیں۔(ہدایہ ج ۱)

حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے۔(ھدایہ ج ۱ ص ۳۸۶)

رفع یدین نہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے۔(شرح وقایہ ص ۱۰۲)

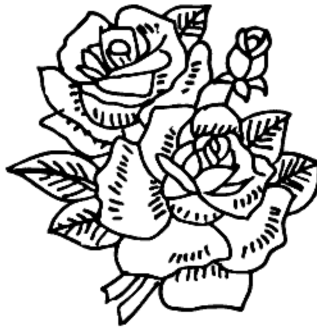
جبکہ ہدایہ وشرح وقایہ میں اس طرح کی کوئی بات مرقوم نہیں ہے بلکہ ہدایہ میں تو رفع یدین نہ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

صرف تکبیر اولی میں رفع یدین کیا جائے گا کیوں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا فرمان ہے:

تکبیر افتاح تکبیر قنوت تکبیرات عیدین اور حج کے چار مقامات (تکبیر عرفات تکبیر جمرتین تکبیر صفا و مروہ اور تکبیر استلام) کے علاوہ میں رفع یدین نہیں کیا جائے گا۔

اور ہدایہ کے بین السطور میں ہے کہ یہ حدیث پاک مشہور ہے۔





مزارات پر پھول اور چادر ڈالنے کا حکم

مزارات مقدسہ پر پھول اور چادر ڈالنا جائز و مستحسن ہے پھول تو اس لئے کہ اس کی تسبیح سے مردوں کا دل بہلتا ہے گنہگاروں کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے جبکہ صالحین کے لئے اس میں رفع مراتب وترقی درجات بھی ہے اور اس میں ان کی تعظیم وتوقیر بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ یا مدینہ کے باغوں میں سے کسی باغ سے گزر ہوا تو آپ نے وہاں ان دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جن پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا اور یہ عذاب کسی بڑی بات پر نہیں ہو رہا تھا کہ اس سے بچنا مشکل ہو بلکہ ایک تو پیشاب کی چھینٹ سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا پھر آپ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوا کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں قبروں پر رکھ دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو فرمایا میں نے ایسا اس لئے کیا ہے تا کہ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہو جب تک یہ خشک نہ ہوں۔ (بخاری ج ا باب عذاب القبر)

اس حدیث پاک کے تحت علامہ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں۔

کھجور کی تر شاخ سے تخفیف عذاب کی وجہ یہ ہے کہ جب تک یہ شاخ تر رہتی ہے خدا کی پاکی بیان کرتی ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔

اور اس حدیث کی بنا پر یہ برکت ہر اس چیز کو عام ہوگی جس میں تری ہو

(خواہ پھول ہی کیوں نہ ہو) (فتح الباری شرح بخاری ج ا ص ۲۲۳)

اسی لئے قبر کے اوپر کھجور کی شاخ اور پھول وغیرہ ڈالنے کو علماء نے سنت و مستحسن قرار دیا ہے۔ (مرقات ج ۲)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

خوشبودار پھول کا قبر پر رکھنا بہتر ہے۔ وراسی حدیث کی بنا پر حضرت بریدہ بن الخصیب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پر کھجور کی دو شاخیں رکھنا۔ (فتح الباری)

اور علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں:

میں نے جو کچھ بھی بیان کیا اس سے معلوم ہو گیا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع میں ہر شخص کے لئے قبر پر کھجور کی تر شاخ رکھنا مسنون ہے اس لئے کہ حضور کے افعال میں اصل اقتدا کرنا ہے ہاں خصوصیت پر اگر کوئی دلیل ہو تو وہ مخصوص ہو گا اور یہاں خصوصیت پر کوئی دلیل موجود نہیں (فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۰۰)

اور چادر ڈالنا اس لئے جائز و مستحسن ہے کہ اس سے صاحب قبر کی عظمت کا اظہار بھی ہوتا ہے اور اس میں ان کی تعظیم وتوقیر بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خانہ کعبہ پر صدیوں سے غلاف چڑھا ہوا ہے یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارکہ میں بھی تھا لیکن کسی نے بھی منع نہ کیا تو جب دوسری مساجد پر خانہ کعبہ کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے اس پر غلاف چڑھانا جائز ہے تو پھر بزرگوں کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے مزارات پر چادریں چڑھانا ناجائز کیسے ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

قرآن حکیم کے صحیح اور غلط ترجموں کی نشاندہی!

اگر دنیا میں دستیاب قرآن حکیم کے تراجم کا جائزہ لیا جائے تو اس سے بھی وہابی دیوبندی کا بطلان صاف ظاہر ہو جائیگا کہ انہوں نے بعض آیتوں کے تراجم ایسے غلط انداز سے کئے ہیں جو شان الوہیت ورسالت کے سراسر خلاف ہیں۔

تو اب ذرا اہل سنت و جماعت اور وہابیوں کے تراجم ملاحظہ فرمالیجئے تا کہ حق و باطل کی پہچان ہو اور وہابیوں کا منحوس چہرہ دنیا کے سامنے آشکارا ہو جائے۔

اِنَّا فَتَحْنَالَکَ فَتْحاً مُّبِیناً لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ (سورہ فتح آیت ۱)

بے شک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے تا کہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔ (غیر مقلد جونا گڑھی)

بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے۔ (عبدالماجد دریا آبادی)

اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی درحقیقت ہم نے تمہاری کھلم کھلا فتح کرادی تا کہ تم اس فتح کے شکریہ میں دین حق کی ترقی کے لئے اور زیادہ کوشش کرو اور خدا اس کے صلہ میں تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے۔ (غیر مقلد ڈپٹی نذیر احمد)

بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے (اشرف علی تھانوی)

اے نبی ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی کوتاہی سے درگذر فرمائے۔ (ابوالاعلیٰ مودودی)

وہابیوں کے ان ترجموں سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماضی میں بھی گناہ کئے جسے رب کائنات نے فتح مبین اور صلح حدیبیہ کی برکت سے معاف فرمادیا اور آئندہ بھی گناہ کریں گے جسے بھی وہ صلح حدیبیہ کی برکت سے معاف فرماتا رہیگا۔ (العیاذ باللہ)

جبکہ حق بات تو یہ ہے کہ ذنب بمعنیٰ گناہ کی نسبت حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کی طرف ہو ہی نہیں سکتی کیوں کہ اگلے گناہوں سے مراد اگر نزول وحی سے پہلے کے ہوں تو یہ گناہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ گناہ کہتے ہیں فرمان کی مخالفت کو اور جب ابھی تک نزول قرآن ہوا ہی نہیں تو نہ مخالفت فرمان ہوئی اور نہ گناہ ہوا۔

اور جب ماتقدم سے حقیقتاً گناہ مراد نہیں ہے تو ماتاخر سے بھی حقیقتاً گناہ مراد نہ ہوگا بلکہ جس طرح ماتقدم سے وہ جائز افعال مراد ہیں جو ابتدائے وحی سے پہلے صادر ہوئے لیکن بعد میں ان سے روک دیا گیا اسی طرح ماتاخر سے بھی وہ جائز افعال مراد ہوں گے جو نزول وحی کے بعد صادر ہوئے لیکن بعد میں ان سے روک دیا گیا تا کہ تقابل درست ہوں یا انبیائے کرام کے استثناء کے ساتھ یہاں آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ مراد ہیں کہ لام تعلیل کے لئے ہے تو اب مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تمہارے لئے فتح مبین عطا فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے بخش دے تمہارے متعلقین میں سے سب اگلوں اور پچھلوں کے گناہ۔

یا ذنب سے معصیت مراد ہے اور معصیت قصد ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بھول چوک کو بھی معصیت کہا جاتا ہے۔ دیکھئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ (سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۱)

اور آدم نے اپنے رب کی معصیت کی پھر دوسرے مقام پر ارشاد گرامی

ہے۔فَنَسِيَ وَلَمْ تَجِدْ لَهٗ عَزْمًا(سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۰)
تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔اور سہو گناہ نہیں اسی لئے
قرآن حکیم میں بندوں کو یہ تعلیم دی گئی۔
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَا اَوْ اَخْطَانَا (سورہ بقرہ آیت ۲۸۶)
اے ہمارے رب ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔یا ذنب سے مراد خلاف اولیٰ کام ہیں کہ نیکوں کے خلاف اولیٰ نیک کاموں کو بھی مقربین کے لئے گناہ سمجھا جاتا ہے حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّاٰتُ الْمُقَرِّبِيْنَ۔
نیکوں کی نیکیاں مقربین کے لئے گناہ ہیں۔تو یہاں بھی ترک اولیٰ کو گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ ترک اولیٰ گناہ نہیں ہوتا۔
اور قرآن حکیم میں جو ہے۔عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِيْنَ۔(سورہ توبہ آیت ۴۳)
اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے۔
تو اس آیت مبارکہ سے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے گناہگار ہونے کو ثابت کرنا وہابیوں کی بہت بڑی جہالت ہے کیوں کہ یہاں معافی کا لفظ گناہوں سے معافی کے لئے کیسے ہوسکتا ہے جبکہ غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہونے اور گھر میں رہ جانے کی اجازت مانگنے والوں کے لئے اجازت دینا اور نہ دینا دونوں سرکار کے اختیار میں تھے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
فَاْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ (سورہ نور آیت ۶۲) تو ان میں جسے تم چاہو اجازت دیدو۔تو پھر اجازت دینا گناہ کیسے ہوسکتا ہے اس لئے عفا عنک کا لفظ گناہوں سے معافی کے لئے نہیں ہے بلکہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں مبالغہ کے لئے ہے کہ ابتدائے کلام میں اس

طرح کے جملے کا تعظیم وتو قیر کے لئے ہونا عرب میں بہت ہی شائع وذائع ہے۔تا کہ لِمَا اَذِنْتَ لَهُمْ سے آپ کے قلب مبارکہ پر کوئی بوجھ نہ ہو۔

وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدٰی (سورہ ضحیٰ آیت ۷)اور پایا تجھکو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی۔ (محمودالحسن دیو بندی)اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتایا۔ (عبدالماجد دریابادی)اورتم کو دیکھا کہ راہ حق کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھر رہے ہوتوتم کو دین اسلام کا سیدھا راستہ دیکھا دیا۔(غیر مقلد نذیراحمد) اوراللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت) سے بے خبر پایا سوآپ کو (شریعت کا) راستہ بتایا۔(اشرف علی تھانوی)

دیکھئے اس گستاخانہ ترجموں میں کسی نے آپ کو بھٹکا ہوا کہہ دیا کسی نے بے خبر لکھ دیا اورانہوں نے سوچا بھی نہیں کہ کس ذات مقدسہ کی طرف وہ بھٹکنے اور بے خبر ہونے کی نسبت کر رہے ہیں ذرا غور تو کیجئے کہ جو خود گمراہ بھٹکا ہوا اور بے خبر ہو وہ دوسروں کی ہدایت ورہنمائی کیا کرسکتا ہے۔

جبکہ قرآن حکیم میں ارشاد گرامی ہے۔وَاِنَّکَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (سورہ شوریٰ آیت ۵۲)اور بے شک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔

اورآیت مبارکہ کا سیاق وسباق بھی بتا تا ہے کہ یہاں ضال کا معنیٰ گمراہ ہرگز نہیں کہ اس سے پہلے ارشاد پاک ہے:

مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی وَ لَلْاٰ خِرَةُ خَیْرٌلَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔

تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بے شک پچھلی تمہارے لئے پہلی سے بہتر ہے (یعنی یوں تو آپ کے تمام احوال اور تمام گھڑیاں بہتر ہیں لیکن بعد کی گھڑیاں اور بھی بہتر ہیں)اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دیگا کہ تم راضی ہو جاؤ گے کیا اس نے تمہیں یتیم

نہ پایا پھر جگہ دی۔

توحضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس قدر عظمت بیان کرنے کے بعد انہیں گمراہ کیسے کہا جاتا۔

دوسری بات یہ کہ خود رب کائنات نے صراحت کے ساتھ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے گمراہیت کی نفی فرمادی ہے۔

ارشاد پاک ہے۔مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی (سورہ نجم آیت ۲) تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔

''صَاحِبُکُمْ'' سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہی ہیں تو اب مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام نے کبھی طریق حق وصداقت سے عدول نہ کیا ہمیشہ اپنے رب کی توحید وعبادت میں رہے آپ کے دامن عصمت پر کبھی کسی امر مکروہ کی گرد بھی نہ آئی۔

تو اب قرآنی اور عشق میں ڈوبا ہوا ترجمہ وہی ہوا جو امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے۔آپ لکھتے ہیں:

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔یعنی رب کائنات نے جب آپ کو اپنی محبت میں مستغرق اور ڈوبا ہوا پایا تو غیب کے اسرار ورموز آپ پر کھول دیئے ماکان ومایکون کے علوم عطا کئے اور اپنی ذات وصفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ پر فائز کردیا۔

مفسرین کرام اور علمائے لغت نے بھی یہاں ضال کا یہی معنٰی مراد لیا ہے بلکہ یہی قرآنی معنٰی بھی ہے کیوں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت وفرقت میں رونے کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی متاثر ہوگئی تھی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی وہی قمیص جو آگ میں جاتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جنت سے نازل ہوئی تھی اور جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے تعویذ کے طور پر آپ کے گلے میں ڈال دیا تھا اپنے بھائیوں کو دے کر ارشاد فرمایا میرا یہ کرتا لے جاؤ اور اسے

میرے باپ کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی تو بھائیوں کا یہ قافلہ ابھی مصر سے نکلا ہی تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے پوتوں اور وہاں موجود دیگر لوگوں سے فرمایا کہ بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔

اس پر ان لوگوں نے کیا کہا وہ قرآن سے سنئے۔تَاللّٰهِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ۔(سورہ یوسف آیت ۹۵) خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خودرفتگی میں ہیں۔





نورانیت مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے میں اہل شعور کے لئے کوئی شک وشبہ نہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ (سورہ مائدہ آیت ۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔

سب سے قوی قول یہی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں نور سے مراد حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے کہ یہی قول اکثر مفسرین کا ہے جیسا کہ تفسیر خازن، مدارک، بیضاوی، روح البیان، کبیر، جلالین، جمل، مظہری وغیرہ میں نور سے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہی مراد لی گئی ہے حتٰی کہ تفسیر روح المعانی میں تو یہاں تک ہے۔

هُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَ النَّبِيُّ الْمُخْتَارُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ یعنی نور سے مراد نور الانوار اور نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں نور سے مراد حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ مراد ہونے کی کئی وجہیں ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے پہلے حضور ہی کے بارے میں ارشاد ہے۔

قَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلُنَا بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے۔

اس کے بعد ہی یہ آیت کریمہ لائی گئی ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت اسی ماقبل والی آیت کے لئے بیان وتفسیر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خود قرآن نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر سراجاً منیراً سے فرما کر

واضح کردیا کہ یہاں نور سے مراد حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہی ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بھی اس آیت کریمہ کی تفسیر انا من نور اللہ سے فرما کر بتادیا کہ اس آیت کریمہ میں نور سے مراد میری ہی ذات ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے۔حضرت جابر فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے بتادیجئے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کون سی چیز پیدا فرمائی تو فرمایا اے جابر بے شک اللہ تعالی نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ (مصنف) یہ کتاب دوسری صدی ہجری کے نامور محدث امام اجل شیخ عبدالرزاق بن ہمام کی تصنیف کردہ ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذالاستاذ ہیں۔

اور اس حدیث کو علماء ومحدثین نے قبول بھی فرمایا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور پاک کو اول خلق ہونے پر اس سے استدلال بھی فرمایا ہے۔

مثال کے طور پر علامہ احمد خطیب قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں علامہ عبدالباقی زرقانی نے شرح مواہب میں ملاعلی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح شمائل ترمذی میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں علامہ اسماعیل حقی نے روح البیان میں اور علامہ فاسی نے مطالع المسرات میں اس حدیث نور کو ذکر فرمایا ہے۔

اور علماء ومحدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی ضعیف حدیث کو بھی علماء و محدثین قبول فرمالیں اور معتمد علمائے کرام اس سے استدلال فرمائیں تو وہ ضرور قوی وصحیح ہوجاتی ہے۔امام جلال الدین سیوطی تعقبات میں رقمطراز ہیں۔

کتنے ائمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اھل علم کی موافقت صحت حدیث کی دلیل ہے

اگر چہ اس کی سند قابل اعتماد نہ ہو۔

علاوہ ازیں بہت سے علماء نے اس کے صحیح ہونے کی صراحت بھی فرمادی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں:

صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ سرکار نے فرمایا کہ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا اور میرے نور سے ساری کائنات کی تخلیق فرمائی۔

(مدارج النبوۃ ج ۲)

اور علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں: بے شک تمام چیزیں نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نور سے بنائی گئیں جیسا کہ اس بارے میں صحیح حدیث وارد ہے۔ (حدیقہ ندیہ مبحث ثانی فی ذم الطعام)

تو اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہوتی پھر بھی تلقی بالقبول اور اس سے علماء ومحدثین کے استدلال کی وجہ سے قوی ہو جاتی لیکن جبکہ محدثین نے اس کی صحت کی صراحت بھی فرمادی ہے تو اب اس کی صحت میں اور بھی شبہ نہیں رہ جاتا۔

لیکن سرچشمۂ ہدایت کے مؤلف کی جہالت تو دیکھئے کہ بلا کسی دلیل کے اس نے اس حدیث پاک کو ضعیف لکھ دیا ہے۔ اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور ہی ہونے کی وجہ سے آپ کے جسم مقدس کا کوئی سایہ نہ تھا۔

حدیث شریف میں ہے۔

نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا جب کبھی سورج کے ساتھ کھڑے ہوتے تو حضور کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب آجاتی۔ (زرقانی جلد ۴)

حضرت ذکوان رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ سورج کی دھوپ میں دیکھا گیا اور نہ چاند کی چاندنی میں (نوادر الاصول باب نفی الفی ص ۵۲)

اور حضور کے جسم مقدس کا سایہ نہ ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں پہلی وجہ تو یہ

ہے کہ حضور نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے سایہ مبارکہ پر کسی انسان کا پاؤں نہ پڑے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔

دھوپ، چاندنی اور روشنیوں کا سایہ نہیں پڑتا اور احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ حضور کی کرامت وفضیلت کے سبب زمین پر نہ کھینچا گیا۔

امام زرقانی فرماتے ہیں۔ حضور کا سایہ اس لئے نہ تھا کہ حضور نور ہیں جیسا کہ ابن سبع نے کہا حافظ رزین محدث فرماتے ہیں اس کا سبب یہ تھا کہ حضور کا نور دنیا کے تمام انوار پر غالب تھا اور بعض علماء نے کہا کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بچایا جائے آپ کے سائے پر کسی کافر کا پاؤں پڑنے سے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں عرض کیا بے شک اللہ تعالی نے حضور کا سایہ زمین پر اس لئے نہ ڈالا کہ کہیں کوئی شخص اس پر پاؤں نہ رکھ دے (تفسیر مدارک زیر آیت لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ منَ الْمُؤْمِنِینَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ) اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو نور الٰہی سے پیدا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نور الٰہی کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ایک ٹکڑا جدا ہو کر حضور سید المرسلین بن گئے جس سے رب کائنات پاک ہے کیونکہ جب ایک شمع سے دوسری شمع روشن ہو جاتی ہے اور اس سے کوئی حصہ جدا بھی نہیں ہوتا یوں ہی نور شمس جس پر بھی تجلی کرتا ہے وہ روشن ہو جاتا ہے اور ذات شمس سے کوئی حصہ جدا بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح سارے سیارے سورج ہی سے روشن ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا نور ان سیاروں میں منقسم ہو گیا ہے جبکہ فی الواقع اگر چہ ان سیاروں میں سورج ہی کا نور ہے لیکن یہ نور نہ سورج سے جدا ہوا ہے نہ کم ہوا، ورنہ اس کو تاریک ہو جانا چاہیئے۔

تو جب اس فانی اور مجازی نور سے بغیر کوئی ٹکڑا جدا ہوئے دوسری چیزیں منور ہو جاتی ہیں تو پھر اس نور الٰہی کا کیا کہنا۔

اور ایک نور سے دوسرا نور پیدا ہونے میں دونوں کے درمیان نام و روشنی میں برابری بھی ضروری نہیں دیکھئے چاند کا نور آفتاب کی ضیاء سے پیدا ہوا ہے لیکن دونوں کی روشنی میں بہت بڑا فرق ہے کہ اگر چودھویں رات کے چاند کے برابر نو ہزار چاند ہوں پھر بھی ان سب کی روشنی آفتاب کے برابر نہ پہونچے گی۔

اور حدیث شریف میں جو ہے کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم رب کائنات کی بارگاہ میں اکثر دعا کرتے۔ الٰہی میرے دل میری جان میری آنکھ میرے کان میرے گوشت و پوست و استخوان اور میرے اوپر نیچے و آگے پیچھے اور ہر عضور کو نور بنا دے اور خود مجھے بھی نور کر دے۔ (مسلم ج ا ص ۲۶۱) تو اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضور کو ابھی نور ہونا حاصل نہ تھا اسی لئے اس کا حصول طلب کرتے تھے کیوں کہ یہ دعاء تو اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے تھی کہ واقع میں حضور کا تمام جسم پاک نور ہے اور یہ فضل و کرم اللہ عزوجل نے حضور پر کر دیا ہے۔

جیسے کہ رب کائنات نے خطا و نسیان کو ہمارے لئے معاف فرما دیا ہے وہ طاقت سے زیادہ ہم پر بوجھ بھی نہیں ڈالتا اور اگلی امتوں والی سختیاں بھی ہم سے اٹھالی گئی ہیں پھر بھی ان فضل و کرم کے اظہار کے لئے اس طرح دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَانَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (سورہ بقرہ آیت ۲۸۶)

اے رب ہمارے ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا اے رب ہمارے اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔

اور دوسری حدیث پاک میں جو آیا ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ۔ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ تو اس کی بنیاد پر یہ کہنا کہ اول ما خلق اللہ نوری والی حدیث

ساقط الاعتبار ہے درست نہیں کیوں کہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ تمام محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اول ما خلق اللہ نوری والی حدیث میں اولیت سے مراد اولیت حقیقیہ (یعنی مخلوقات میں سب سے پہلے ہونا) اور قلم وغیرہ میں اولیت سے مراد اولیت اضافیہ ہے (یعنی بعض سے پہلے ہونا ہے)

اس لئے کہ جن احادیث میں دوسری چیزوں کے اول خلق ہونے کا ذکر ہے حدیث جابر میں ان چیزوں کا بعد میں پیدا ہونا مذکور ہے۔

دوسری بات یہ کہ خود اول ما خلق اللہ القلم والی حدیث کا پچھلا حصہ دلالت کر رہا ہے کہ اس میں اولیت سے مراد اولیت اضافیہ ہے۔

پوری حدیث اس طرح ہے۔ بے شک اللہ تعالی نے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے حکم دیا کہ لکھ اس نے عرض کیا کیا لکھوں فرمایا تقدیر لکھ تو جو کچھ ہو چکا تھا اور ابد تک جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ کو قلم نے لکھا۔ (مشکوٰۃ باب ایمان بالقدر)

غور فرمایئے کہ اگر قلم سے پہلے کوئی چیز پیدا نہ ہو چکی ہوتی تو یہ کیسے صادق آتا کہ قلم نے اسے بھی لکھا جو پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن وہابی حضور علیہ السلام کو نور کیا کہیں گے بلکہ وہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے بڑے بھائی کی طرح کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے جس میں حضور علیہ السلام کی توہین ہے کیوں کہ انہوں نے آپ کو اپنے بڑے بھائی سے ملا دیا ہے۔

وہ اپنے اس باطل قول پر مسلم شریف کی ان احادیث کریمہ کو دلیل بتاتے ہیں جن میں حضور نے اپنے بعض صحابہ کو بھائی سے یاد فرمایا ہے تو وہ ہرگز دلیل نہیں بن سکتیں کیوں کہ وہاں تو حضور نے بطور تواضع واظہار شفقت ومحبت کے لئے بعض مخلصین صحابہ کو بھائی سے یاد فرمایا تھا جبکہ وہابی توہین کے ارادہ سے حضور کو بھائی کہتے ہیں، جن کی دلیل ہے کہ انھوں نے حضور کو بڑے بھائی سے ملا دیا ہے۔

وہابی بدمذہب اہل سنت وجماعت پر رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا

سمجھنے کا الزام بھی لگاتے ہیں جبکہ اہل سنت و جماعت اس طرح کے غلط نظریات سے پورے طور پر بیزار رہیں۔

دیکھئے حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اس طرح کے ایک قائل پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ایسا شخص ضرور کافر ہے۔(فتاویٰ شارح بخاری ج ا ص ۱۹۱)

ایسا کہنا شرک خالص اور کفر صریح ہے اس کا قائل اسے حق سمجھ کر پڑھنے والے اسے سن کر پسند کرنے والے سب کافر و مشرک اور اسلام سے خارج ہیں۔(ایضاً ص ۴۹۱)

وہابی بدمذہب اپنے اس باطل قول پر حضرت آسی غازی پوری علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس شعر کو بھی دلیل بناتے ہیں۔

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہوکر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفٰے ہوکر

تو اس شعر کو دلیل بنانا ان کی حماقت و جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں کیوں کہ اس شعر میں مستوی عرش تھا نہیں ہے بلکہ مستوی عرش ہے موجود ہے جو دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور اترنا یہاں پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے معنٰی میں نہیں ہے بلکہ جلوہ فرما ہونے کے معنٰی میں ہے اس کی مثال حدیث شریف میں بھی موجود ہے۔

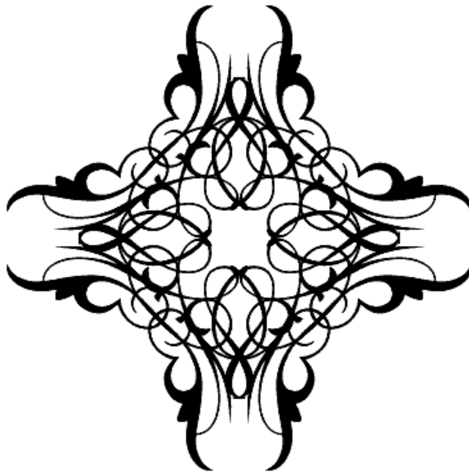
رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب پندرہویں شعبان کی رات ہو تو رات میں قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو کیوں کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سورج غروب ہوتے ہی آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔(مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان) ملا علی قاری نے ینزل فیھا کی تشریح میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالی اپنی صفت رحمت کی تجلی فرماتا ہے۔تو جس طرح حدیث شریف میں نزول تجلی فرمانے کے معنٰی میں ہے اسی طرح حضرت آسی کے شعر میں بھی اتر پڑنا جلوہ فرمانے کے معنٰی میں ہے۔

اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رب کائنات کے اسمائے صفاتی کے مظہر ہیں۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں:

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم رب کائنات کے اسمائے صفاتی
کے جلوہ گر ہیں۔(اخبار الاخیار ص ۵۶۸ زیر حالات شیخ محمد حسن)

تو اب شعر کا مطلب یہ ہو کہ جو ذات مستوی عرش ہے وہ اب بھی مستوی عرش ہے لیکن اس نے اپنی صفات کو آقائے دو جہاں علیہ السلام میں ظاہر فرما کر اتار دیا ہے جیسے آئینہ میں آفتاب کا ظہور تام ہوتا ہے تو سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صفات باری تعالی کے مظہر ہو کر مدینہ میں جلوہ گر ہوئے نہ یہ کہ جو ذات مستوی عرش ہے بعینہ وہی ذات مدینہ میں اتر پڑی ہے۔





تقلید کی شرعی حیثیت

تقلید لغت میں کہتے ہیں گلے میں ہار ڈالنے کو۔ اور چونکہ انسان جس کی پیروی کرتا ہے اس کے گلے میں امامت کا ہار ڈال دیتا ہے یا اس کے قول وفعل کی پیروی کا ہار خود اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے اسی لئے اس پیروی کو تقلید کہا جاتا ہے۔

لیکن اصطلاح میں تقلید کہتے ہیں دلیل میں نظر کئے بغیر کسی ماہر فن کے قول وفعل کو تسلیم کر لینا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ اس فن کا ایسا محقق ہے جس کا قول مضبوط دلائل سے آراستہ ہونے کی وجہ سے راجح ہوتا ہے۔

حاشیۂ حسامی باب متابعت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں ہے۔

اَلتَّقْلِیْدُ اِتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَیْرَہٗ فِیْمَا سَمِعَہٗ یَقُوْلُ اَوْ فِیْ فِعْلِہٖ عَلٰی زُعْمٍ اَنَّہٗ مُحَقِّقٌ بِلَا نَظَرٍ فِی الدَّلِیْلِ وَ کَانَ الْمُقَلِّدُ جَعَلَ قَوْلَ الْغَیْرِ وَ فِعْلَہٗ قِلَادَۃً فِیْ عُنُقِہٖ۔

تقلید کہتے ہیں آدمی کا کسی غیر کے قول وفعل کی اتباع اس بنیاد پر کرنا کہ وہ محقق ہے دلیل میں نظر کئے بغیر تو گویا مقلد نے دوسرے کے قول وفعل کو اپنے گلے کا قلادہ بنا لیا۔

اور تقلید نہ عقائد دینیہ میں کی جاتی ہے کہ ان کا ثبوت نصوص صریحہ سے ہوتا ہے اور نہ ان احکام میں کی جاتی ہے جن کا ثبوت قرآن وسنت کے نصوص صریحہ سے ہو۔

بلکہ تقلید صرف انہیں دینی احکام میں واجب ہوتی ہے جو اجتہاد کے ذریعے کتاب وسنت سے نکالے گئے ہوں کہ ہر حکم صراحت کے ساتھ کتاب وسنت میں موجود نہ تھے اس لئے ان احکام کو جاننے کے لئے قیاس واجتہاد کی ضرورت پڑی۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مجھے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو پوچھا اے معاذ تم مقدمہ کا فیصلہ کس چیز سے کروگے میں نے عرض کیا کتاب اللہ سے کروں گا سرکار نے پھر پوچھا اگر اس مسئلہ کا حل کتاب اللہ میں نہ پاسکوتب کیا کروگے میں نے عرض کیا ایسی صورت میں سنت رسول اللہ سے اس کا فیصلہ کروں گا سرکار نے پھر پوچھا اگر میری سنت میں بھی اس کا حل نہ پاؤ تب کیا کروگے حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے بعد میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور حکم شرعی نکالنے کے لئے اپنی کوشش میں کوئی کمی نہیں کروں گا۔یہ سن کر سرکار نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس بات کی توفیق بخشی جس سے رسول اللہ راضی ہیں (مشکوٰۃ ص ۳۲۴ باب العمل فی القضاء)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص زبردست فقیہ اور عظیم الشان مجتہد صحابی گزرے ہیں۔ایک مرتبہ ان کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ ایک ایسی عورت کا شوہر انتقال کرگیا ہے کہ جسکا نہ مہر مقرر تھا اور نہ اس نے اپنے شوہر سے قربت حاصل کی تھی تو ایسی صورت میں اس عورت کو کتنا مہر ملے گا۔اس مسئلہ میں آپ اور دیگر صحابہ کرام ایک مہینہ تک غور وفکر کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ارشاد فرمایا میں اس مسئلہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اگر یہ اجتہاد درست ہوا تو من جانب اللہ ہے جو وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور اگر غلط نکلا تو میری اور شیطان کی جانب سے ہے۔اللہ اور اس کے رسول اس سے بری ہیں۔

پھر فرمایا اس عورت کے لئے میں مہر مثل کا حکم کرتا ہوں جس میں نہ کمی ہو نہ زیادتی اس پر عدت بھی ہے اور اس کے لئے میراث بھی۔

اس مجلس میں قبیلہ اشجع کے کچھ لوگ بھی موجود تھے انھوں نے کھڑے ہو کر کہا ہم

گواہی دیتے ہیں کہ جیسا فیصلہ آپ نے کیا ہے ویسا ہی فیصلہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ہمارے قبیلہ کی ایک عورت بروع بنت واشق کے حق میں فرمایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعوداس خبر کو سن کر بہت مسرور ہوئے کہ ان کا یہ فیصلہ حضور سید المرسلین ﷺ کے فیصلہ کے مطابق ہو گیا۔ (نسائی ج ۲ ص ۳۷ / ۴۷ کتاب النکاح) (مشکوۃ ص ۲۷۷)

تو غور فرمائیے کہ اگر اجتہاد بُرا ہوتا اور اس کے ذریعے نکالے ہوئے فیصلوں میں تقلید ناجائز ہوتی تو نہ حضور سید المرسلین ﷺ حضرت معاذ بن جبل کے اس نظریہ پر خوشی کا اظہار فرماتے نہ حضرت عبداللہ بن مسعود اجتہاد کرتے اور نہ صحابہء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان کے اس اجتھادی فیصلے کو تسلیم کئے ہوتے۔

اور ہر عالم کتاب وسنت کی گہرائیوں میں اتر کر احکام شرعیہ تلاشنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور کوئی عالم حکم نکال بھی لے تو سب کے اندر صحیح اور غلط حکم میں امتیاز کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی کہ اجتہاد کی شرطیں ہر علماء میں موجود نہیں ہوتیں اور اجتہاد کے لئے یہ شرطیں بیان کی گئی ہیں۔

مجتہد جس نو پید مسئلہ کا حکم بیان کرنے جارہا ہو اس کے تمام موافق ومخالف دلیلیں اس کے پیش نظر ہوں (شرح عقود رسم المفتی)

وہ کتاب اللہ کی ان تمام آیتوں کے لغوی معانی یعنی مفردات ومرکبات کے معانی کی بھی معرفت رکھتا ہو جن سے احکام ثابت ہوتے ہیں خواہ یہ معرفت بالذات حاصل ہو یا دیگر علوم مثلاً لغت، صرف، نحو، معانی یا بیان کے ذریعے اسی طرح شرعی معانی یعنی ان معانی کی بھی معرفت حاصل ہو جن سے احکام شرعیہ ثابت ہوتے ہیں۔

اسے کتاب اللہ کے نظم ومعنیٰ کے اقسام خاص وعام اور امر و نہی وغیرہ کی بھی معرفت حاصل ہو۔

جن احادیث مبارکہ سے احکام ثابت ہوتے ہیں ان کے متن، راوی کے حالات، مختلف اسانید اور اقسام حدیث متواتر واحاد وغیرہ کی بھی اسے معرفت حاصل ہو

کہ احوال رواۃ اور مختلف اسانید کی معرفت سے حدیث صحیح وضعیف کا علم ہوتا ہے اور خبر متواتر و احاد کی معرفت سے احکام کا علم ہوتا ہے۔ اسے قیاس کے اقسام، شرعی، شبھی، عقلی اور اس کے شرائط کی بھی معرفت حاصل ہوتا کہ صحیح وفاسد قیاس میں وہ تمیز کر سکے۔

اور قیاس صحیح ہونے کے پانچ شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ نص کے مقابلے میں نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ فرع میں اصل کا حکم بدل نہ جائے کہ اصل میں حکم مطلق ہو لیکن فرع میں مقید کر دے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جو علت ایک مسئلہ سے دوسرے مسئلہ میں جاری کی جائے وہ ایسی نہ ہو جو عقل کے ادراک سے باہر ہو کیونکہ اصل کے حکم کا جب عقل ادراک نہ کر سکے تو قیاس کی اس میں کوئی مداخلت نہ ہو گی جیسے نماز کی رکعتوں کی تعداد۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ قیاس حکم شرعی کے لئے علت ہو نہ کہ حکم لغوی کے لئے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ فرع کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہو۔ (نور الانوار بحث اجتھاد)

معلوم ہوا کہ اجتہاد کا اہل وہی شخص ہے جس میں یہ تمام شرطیں موجود ہوں اور فی زمانناتمام علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ اب دنیا میں اجتہاد کی شرطوں کا حامل کوئی بھی شخص موجود نہیں اس لئے ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنھم میں سے کسی ایک کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

علامہ سید محمد طحطاوی حنفی رقمطراز ہیں۔ امت کا نجات یافتہ طبقہ اب حنفی، شافعی ، مالکی، اور حنبلی میں منحصر ہے اور اس زمانے میں جو اس چار گروہ سے خارج ہو وہ بدمذہب اور جہنم کا مستحق ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی دار المختار ج ۲ ص ۱۵۳ کتاب الذبائح)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رقمطراز ہیں۔ تمام امت یا امت کے قابل اعتماد افراد نے مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے جو آج تک جاری ہے (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۲۳)

اور ائمہ اربعہ کے علاوہ اگر چہ امام اوزاعی امام لیث بن سعد اور امام ابن جریر جیسے اور بھی مجتہدین گذرے ہیں۔ لیکن چونکہ انھوں نے نہ ہر باب کے احکام مرتب کئے نہ

ان کے مذاہب محفوظ ومنقول ہوئے اس لئے ان کی پیروی سے لوگ عاجز وقاصر ہیں اور ائمہ اربعہ کی تقلید کے لئے مجبور۔

لیکن مقلد ان ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک ہی کی تقلید کرسکتا ہے ورنہ اس کا ایک ہی چیز کو حلال وحرام دونوں سمجھنا لازم آئیگا کہ کسی چیز پر کوئی مجتہد حلال کا حکم لگاتے ہیں جبکہ کوئی حرام کا۔اور تقلید شخصی کا باضابطہ رواج اگرچہ دوسری صدی ہجری میں قائم ہوا لیکن اس کا وجود تو عہد صحابہ ہی سے ہو چکا تھا۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہی فرماتے ہیں۔

عہد صحابہ سے ظہور مذاہب اربعہ تک علمائے کرام میں سے جن پر بھی اتفاق ہوتا لوگ ان کی تقلید کرتے رہتے اور یہ عمل بغیر کسی اعتراض کے برابر جاری رہا اگر تقلید باطل ہوتی تو وہ لوگ ضرور اس کی مخالفت کرتے۔(عقد الجید ص ۳۳)۔

اور فقہی مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کو جو تقلید کہا جاتا ہے تو عرفاً کہا جاتا ہے ورنہ یہ تقلید حقیقت میں کتاب وسنت کی پیروی ہے کہ کتاب وسنت میں مجتہدین کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔فَاسْئَلُوْ اَهْلَ الذِّكْرِاِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

(الانبیاء ۷) تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔تو اس آیت مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ جو چیز تمہیں معلوم نہ ہو اسے چھوڑ نہ دو اور نہ اس میں اپنے سے اندازہ لگالو بلکہ علم والوں سے پوچھ کر عمل کرو۔

اور علماء سے پوچھ کر اس کے مطابق عمل کرنا ان کی تقلید ہی تو ہے۔وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔(التوبہ ۱۲۲)۔

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈرسنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

یعنی مسلمانوں سے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ سب کے سب علم دین حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ چلے جائیں کہ اس سے مالی تنگی پیدا ہوگی اور گھریلو نظام بحران کا شکار ہو جائیگا تو وہ ایسا کریں کہ ہر قبیلے سے کچھ لوگ علم دین سیکھنے کے لئے مدینہ منورہ چلے جائیں اور باقی لوگ اپنے گھروں میں رہیں جب وہ علم دین سیکھ کر واپس آئیں تو اپنی اپنی قوم کو سکھائیں اور انہیں رب سے ڈرائیں تاکہ وہ حکم خداوندی کی مخالفت سے بچیں۔

تو اس آیت مبارکہ میں صراحت کے ساتھ فرمادیا گیا کہ علم دین سیکھنے کے لئے سفر کرنا سب سے نہیں ہوسکتا اس لئے بعض لوگ ہی علم دین اور فقہ سیکھ کر آئیں پھر وہ اپنی قوم کو دینی احکام سے روشناس کرائیں اور عوام ان فقیہوں کی باتوں پر عمل بھی کریں۔تو دیکھئے عالم دین کی باتوں پر عمل کرنا تقلید نہیں تو کیا ہے۔یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُو اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (سورہ نساء آیت ۵۹)

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اولی الامر سے مراد فقہاء و مجتہدین ہیں۔ابن قیم کے شاگرد حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں۔

> حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اولوا الامر سے مراد فقہاء وائمہ دین ہیں اور یہی قول امام مجاہد، عطا، حسن بصری اور ابوالعالیہ کا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس میں امراء وعلماء سب داخل ہیں۔
> (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۵۱۸)

معلوم ہوا کہ جو احکام قرآن وحدیث سے صراحتاً ثابت نہ ہوں ان میں ایسے علماء و مجتہدین کی تقلید واجب ہے جنہوں نے قرآن وحدیث کے نصوص میں اجتہاد فرما کر ان کا استخراج کیا ہو ورنہ قرآن وحدیث کے بعد اولوا الامر کا ذکر نہ آیا ہوتا۔

علامہ نعیم الدین مرادآبادی تحریر فرماتے ہیں:

احکام تین قسم کے ہوتے ہیں پہلی قسم ان احکام کی ہے جو ظاہر کتاب یعنی

قرآن سے ثابت ہوں دوسری قسم ان احکام کی ہے جو ظاہر حدیث سے ثابت ہوں اور تیسری قسم ان احکام کی ہے جو قرآن و حدیث کی طرف بطریق قیاس رجوع سے حاصل ہوں اور اولوا الامر میں امام، امیر بادشاہ، حاکم اور قاضی سب داخل ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

وَلَوْرَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (سورہ نساء آیت ۸۳)

اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں (اکابر صحابہ جو صاحب رائے اور صاحب بصیرت ہیں) کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں۔

یعنی اگر یہ لوگ ایسی خبریں پھیلانے میں جلد بازی نہ کرتے بلکہ اھل سیاست حضرات کے سپرد کر دیتے تو جو صحابہ مسائل نکالنے پر قادر ہیں وہ جان لیتے کہ یہ خبر پھیلانے کے لائق ہے یا نہیں یہ جلد باز لوگ ان بزرگوں کو سوچنے کا موقع نہیں دیتے اور فوراً پھیلا دیتے ہیں جس سے جنگی راز ظاہر ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر نعیمی)

تو اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو دینی امور میں دخل دینے کی اجازت نہیں بلکہ استنباط و استخراج کا حق صرف انھیں حضرات کو حاصل ہے جو صاحب رائے و بصیرت ہوں اور جن میں یہ صلاحیت نہ ہو ان پر ان بزرگوں کی تقلید واجب ہے۔

اور قرآن حکیم کی جن آیات کریمہ سے تقلید کی ممالغت سمجھ میں آتی ہے اس سے وہ تقلید مراد ہے جو شریعت کے خلاف ہو مثال کے طور پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطاً (سورہ کہف آیت ۲۸)

اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا۔ اور اسی تقلید کو عرف عام میں اندھی تقلید کہا جاتا ہے کہ جیسے اندھا اندھے

کے پیچھے چلتا ہے لیکن دونوں میں سے کسی کے پاس بھی روشنی نہیں ہوتی اسی طرح اس تقلید میں بھی کسی کے پاس دلیل کی روشنی نہیں ہوتی جیسے کفار ومشرکین کا افعال کفر وشرک میں پہلے کے کفار ومشرکین کی پیروی کرنا اندھی تقلید ہے۔

تو اتنی واضح حقیقت کے باوجود تقلید سے انکار ہٹ دھرمی کے سوا کچھ بھی نہیں علاوہ ازیں منکرین تقلید اگر اپنی عملی زندگی پر بھی غور کرلیں جب بھی وہ اس انکار کی ساری راہیں مسدود پائیں گے کہ جن محدثین کی جمع کردہ حدیثوں پر عمل کرنے کے وہ دعویدار ہیں وہ خود بھی مقلد گزرے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی غیر مقلد رقمطراز ہے۔اور ہمیں چاہئے کہ اب کچھ ائمۂ شافعیہ کا تذکرہ کریں تاکہ ہماری کتاب کتب حنفی وشافعی دونوں کی جامع ہوجائے تو ائمہ شافعیہ دو قسموں پر ہیں پہلی قسم میں وہ حضرات آتے ہیں جو امام شافعی کی صحبت سے مشرف ہوئے جیسے احمد خلال اور ابوجعفر بغدادی اور ائمہ شافعیہ کی دوسری قسم میں محمد بن ادریس رازی، محمد بن اسماعیل بخاری اور حکیم ترمذی آتے ہیں۔(ابجد العلوم ص ۸۱۱)

اور خود غیر مقلدین بھی جو احادیث مبارکہ پر صحیح، حسن، غریب اور عزیز وغیرہ کا حکم لگائے ہیں تو ائمہ حدیث ہی کی پیروی میں پھر بھی کہتے پھر رہے ہیں کہ تقلید شرک ہے۔(العیاذ باللہ)





قیام وسلام کا شرعی حکم

میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز و مستحسن اور باعث ثواب کثیر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَ یُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْاعَلَیْہِ وَسَلِّمُوْ تَسْلِیْماً (پ ۲۲ الاحزاب ۵۶)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والوان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اس آیت مبارکہ میں کسی ہیئت یا کسی وقت کا تعین نہیں کیا گیا ہے لہٰذا بیٹھ کر پڑھا جائے یا کھڑے ہوکر شروع میں پڑھا جائے یا اخیر میں سب جائز ہوگا۔

اصول فقہ کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ مطلق کا حکم یہ ہے کہ اس کے کسی فرد کا ادا کرنے والا مامور بہ کا ادا کرنے والا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی تعظیم بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضرت فاطمہ جب حضورؐ کی خدمت میں حاضر آتیں تو آپ ان کے لئے کھڑے ہوجاتے ان کا ہاتھ پکڑتے انھیں چومتے پھر اپنی مجلس میں بیٹھا لیتے اور جب حضور ان کے پاس تشریف لاتے تو وہ بھی آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں آپ کا دست مبارک پکڑتیں اسے بوسہ دیتیں پھر آپ کو اپنی جگہ بیٹھا لیتیں۔ (مشکوٰۃ باب المصافحۃ والمعانقۃ)

اورآپ کے ذکر پاک کی تعظیم ذات اقدس کی تعظیم کے مثل ہے تو یہ تعظیم دراصل حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہی کی ہوئی تو اب اس تعظیم کے لئے آپ کا محفل پاک میں موجود ہونا ضروری نہ ہوا۔

اور رب کائنات نے سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا حکم بھی دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَتَعَزِّرُوْہُ وَتَوَقِّرُوْہُ۔ (الفتح ۹) اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔ وَمَنْ یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَامِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (پ ۱۷ الحج ۳۲) اور جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو بے شک وہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

اور سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے شعاروں میں سے ہیں لہٰذا جس طریقے سے بھی آپ کی تعظیم کی جائیگی حسن ومحمود ہی رہیگی کہ تعظیم میں کسی خاص صورت کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔

ہاں اگر کسی خاص صورت کی بُرائی شرع میں وارد ہوئی ہو تو وہ ممنوع رہے گی مثلاً حضور کو سجدہ کرنا یا ذبح کے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا۔

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں۔ بِجَمِیْعِ اَنْوَاعِ التَّعْظِیْمِ الَّتِیْ لَیْسَتْ فِیْھَامُشَارَکَۃَاللّٰہِ تَعَالیٰ فِی الْاُلُوْھِیَۃِ اَمْرٌ مُسْتَحْسَنٌ عِنْدَ مَنْ نَوَّرَ اللّٰہُ اَبْصَارَھُمْ۔ (جوھر منظم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ان تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امر مستحسن ہے ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ نے نور بخشا ہے تو وہ قیام جسے اھل اسلام ذکر ولادت شریف کے وقت حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی نیت سے کرتے ہیں حسن و محمود ہی رہیگا جب تک مخالفین اس خاص صورت کی برائی کا ثبوت قرآن وحدیث

سے پیش نہ کردیں۔

اور یہ قیام اگرچہ محفل میں ہر وقت جائز و مستحسن ہے لیکن اخیر وقت کو اس کے لئے خاص کرنے کی کئی وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ تاکہ محفل میں تاخیر سے شریک ہونے والے حضرات بھی اس سے فیضیاب ہوسکیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح کی تعظیم کسی معظم کی آمد پر ہوتی ہے اور چونکہ فضائل بیان کرنے کے بعد محفل کے اخیر ہی میں حضور کی آمد کا تذکرہ ہوتا ہے تو یہ قیام بھی اسی وقت مناسب ہوا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ میلاد کے اخیر میں سلام پڑھنا سنت الٰہیہ ہے کہ رب کائنات نے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا میلاد پڑھا پھر اخیر میں ان پر سلام بھیجا۔

ارشاد گرامی ہے۔

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا وَ حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ زَکٰوۃً وَ کَانَ تَقِیًّا وَ بَرًّام بِوَالِدَیۡہِ وَلَمۡ یَکُنۡ جَبَّارًا عَصِیًّا وَ سَلٰمٌ عَلَیۡہِ یَوۡمَ وُلِدَ وَیَوۡمَ یَمُوۡتُ وَیَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّا۔ (پ ۱۶ سورہ مریم ۱۲/ ۱۳/ ۱۴)

اے یحییٰ کتاب مضبوط تھام اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی اور اپنی طرف سے مہربانی اور ستھرائی اور وہ کمال ڈر والا تھا اور اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے والا تھا زبردست و نافرمان نہ تھا اور سلامتی ہے اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائیگا۔

اسی طرح رب کائنات نے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا میلاد پڑھا کہ حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا گہوارے میں گفتگو کرنا سب کچھ بیان فرمادیا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو اپنا میلاد سلام کے ساتھ خود پڑھا تھا اسے بھی اخیر میں بیان فرمادیا۔

ارشاد گرامی ہے:

وَ السَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیاً (پ ۱۶ مریم ۳۳)

اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔

لیکن وہابی ان باتوں سے مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ اگر قیام اچھی چیز ہوتی تو صحابۂ کرام اسے ضرور کئے ہوتے کیوں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی محبت ان بزرگوں کو تھی ہمیں نہیں ہے تو اس طرح کی بات باطل محض ہے کیونکہ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو پھر صحابۂ کرام اور تابعین عظام کی ایجاد کردہ تمام چیزوں پر اعتراض وارد ہوگا کہ دین کی بھلائیوں سے جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقف تھے اتنا صحابۂ کرام نہ تھے تو جب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کو کتابی شکل میں جمع نہ فرمایا تو پھر صحابۂ کرام نے ایسا کیوں کیا۔

اسی طرح حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی محبت صحابۂ کرام کو تھی تابعین و تبع تابعین عظام کو نہ تھی تو جب صحابۂ کرام نے حدیث کو کتابی شکل نہیں دی تو پھر ان بزرگوں نے ایسا کیوں کیا۔

جبکہ ان عظمت والے کاموں کو کوئی بھی برا نہیں کہتا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جائز و نا جائز ہونے کا معیار صحابۂ کرام و تابعین عظام کا عمل نہیں ہے بلکہ اس کا معیار اچھائی و برائی ہے اچھی بات کسی بھی زمانے میں ہو اچھی ہے اور بری بات کسی بھی زمانے میں ہو بری ہے۔

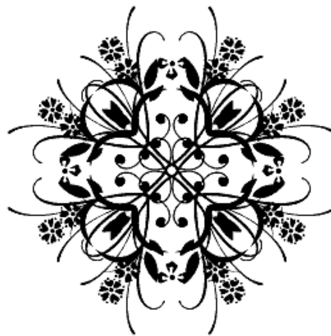
اس کی تائید اس حدیث پاک سے بھی ہو جاتی ہے:

جو اسلام میں کسی اچھے طریقے کو رائج کریگا تو اس کو رائج کرنے کا بھی ثواب ملے گا اور اس پر لوگوں کے عمل کرنے کا بھی ثواب ملے گا عمل کرنے والے کے ثواب میں بغیر کمی ہوئے اور جو کسی برے طریقے کو رائج کریگا تو اس کو رائج کرنے کا بھی گناہ ہوگا

اور اس پر لوگوں کے عمل کرنے کا بھی گناہ ہوگا عمل کرنے والے کے گناہ میں بغیر کمی ہوئے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۳) اور بدعقیدے یہ بھی کہتے ہیں کہ نماز میں درود وسلام بیٹھ کر پڑھنے کا حکم ہے اس لئے خارج نماز بھی بیٹھ کر ہی پڑھے جائیں گے تو ان کی یہ بات بھی باطل ہے کیوں کہ اگر یہ بات صحیح ہو جائے تو پھر تسبیحات بھی خارج صلوٰۃ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر جائز نہ ہوں گی اس لئے کہ تسبیحات نماز میں رکوع اور سجود کی حالت میں پڑھی جاتی ہیں جبکہ تسبیحات خارج صلوٰۃ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر ہر طرح جائز ہے۔

دوسری بات یہ کہ شریعت اسلامیہ نے اگر درود وسلام کو رکوع وسجود والی نماز میں بیٹھ کر پڑھنے کا حکم دیا ہے تو نماز جنازہ میں درود شریف کھڑے ہو کر پڑھنے کا بھی حکم دیا ہے جس سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ صلوٰۃ وسلام ہر طرح پڑھنا جائز ہے۔

ختم شد



FATH-E-HIDAYAT BAR
SAR CHASHMA-E-HIDAYAT
BY: MUFTI MOHD. SALAHUDDIN RAZVI

دعائے خیر

میرے والدین کریمین کو خالق کائنات نے اپنے فضل و کرم سے دو فرزند عطا کیے، ایک تو میں خود ہوں اور دوسرے مولانا ماہر القادری۔ میرے والد گرامی جناب سہراب عالم رضوی مرحوم اور والدہ ماجدہ بی بی نجم النساء مرحومہ کے دلوں میں ہمیشہ یہ خواہش مچلتی کہ ہمارے دونوں فرزند عالم دین بن کر دینی خدمات میں مصروف رہیں اور اِن دونوں سے دین وسنیت کو فروغ واستحکام ملتا رہے تا کہ ہمیں آخرت کا بہت بڑا سرمایہ حاصل ہو۔

اللہ قادر مطلق نے اِن دونوں بزرگوں کی دعاؤں کی لاج رکھ لی اور ہم دونوں دینی شعور و آگہی سے آراستہ ہوکر دینی خدمات میں مصروف ہو گئے۔ لیکن معاشی خوشحالیوں کے لیے کبھی کبھی میرے دل میں تجارت کا خیال بھی آجاتا۔ کولکاتا شہر میں میرے والد گرامی کی ایک چھوٹی سی دُکان تھی، کئی مرتبہ میں نے والدہ ماجدہ کے توسل سے اپنی اس خواہش کو ان کی خدمت میں پیش بھی کیا کہ اگر یہی دُکان عطا ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔ اس پر انہوں ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ میں نے اپنے بیٹوں کو دنیا کمانے کے لیے عالم نہیں بنایا ہے بلکہ علوم دینیہ کو پھیلانے اور دینی خدمات کے لیے عالم بنایا ہے، جو اس زمانے میں کاروبار سے منسلک رہ کر عمدہ طور پر ہونا بہت دشوار ہے۔

آج میں جو کچھ بھی ہوں ان میں ان بزرگوں کی مخلصانہ دُعاؤں اور خواہشوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ دعا کریں کہ اللہ رحمان و رحیم اِس کتاب اور میری دیگر اسلامی خدمات کے پاکیزہ وسیلے انہیں رحمتوں سے سیراب کرے اور جنت الفردوس میں بلند مقام سے سرفرازی بخشے۔

العارض

محمد صلاح الدین

Printed at: Ahmad Publications Pvt. Ltd. Patna #8521889323